بانی

فخر المحدثین حضرت مولانا سید انظر شاہ مسعودی کشمیری رحمہ اللہ

مدیر

سید احمد خضر شاہ مسعودی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بیادگار: محدثِ عصر حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ

جامعہ امام محمد انور شاہ دیوبند کا علمی، دینی، ادبی ترجمان

ماہنامہ

محدثِ عصر

فروری/مارچ ۲۰۱۷ء، جلد نمبر ۱۸، شمارہ نمبر ۲، سلسلہ نمبر ۱۷۷

بانی: فخر المحدثین حضرت مولانا سید انظر شاہ مسعودی کشمیری رحمہ اللہ

مدیر: سید احمد خضر شاہ مسعودی

شائع کردہ

جامعۃ الامام محمد انور شاہ دیوبند

عقب عیدگاہ، دیوبند 247554 (یوپی)

فون آفس: 01336-220471 فون وفیکس (مدیر) 01336-222471-223371

موبائل (مدیر): 08006075484

ای۔میل: ahmadanzarshah@gmail.com

اشتراک وتعاون

اندرونِ ملک:

فی شمارہ -/15 سالانہ -/150

خصوصی -/1000

تاحیات -/10000

بیرونِ ملک:

سالانہ: 20 امریکی ڈالر

خصوصی: 100 امریکی ڈالر

تاحیات: 500 امریکی ڈالر

ورق درورق

صریرخامہ

عصریات	سیّد احمد خضر شاہ مسعودی کشمیری	۳

قرطاس وقلم

حضرت محدثِ کشمیریؒ کا ذوقِ تفسیری	حضرت مولانا قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی	۸

قندمکرر

ذلک الکتاب	فخر المحدثین حضرت مولانا سید محمد انظر شاہ کشمیریؒ	۲۱
مشرکوں اور یہودیوں کی صفت	مولانا مفتی شعیب اللہ خان مفتاحی	۲۸
سمجھ میں آئے ہمیں کاش، قیمتِ مسلم......!	عزیز بلگامی	۳۷
آہ! شیخ عبدالحق الاعظمیؒ	مولانا فضیل احمد ناصری	۴۳
روہنگیائی مسلمانوں کی حالتِ زاراور......	عبداللہ رشید قاسمی	۵۳
جامعہ کی سرگرمیاں	مولانا فضیل احمد ناصری	۵۶
نقدونظر	مولانا فضیل احمد ناصری	۶۱
ہواکے دوش پر	رضوان سلمانی	۶۳

عصریات

سیّد احمد خضر شاہ مسعودی کشمیری

۴/جنوری کو انتخابات کی تاریخوں کا اعلان ہوتے ہی سیاسی گہما گہمی کا دور شروع ہوگیا۔ یہ انتخابات پانچ ریاستوں میں ہونے ہیں، جن میں سے دو صوبوں میں وہاں کے باشندوں نے رائے دہی کا اپنا حق استعمال بھی کرلیا ہے۔ گوا اور پنجاب میں ۴/فروری کو ہی ووٹنگ ہوگئی۔ ۱۵/فروری کو اتراکھنڈ کے عوام بھی اپنے مستقبل کا فیصلہ کرچکے۔ اگلے مہینے ۴/اور ۸/مارچ کو منی پور میں بھی لیڈران کی قسمت ''ای وی ایم'' میں بند ہوگی۔ یوپی بڑی ریاست ہے، الیکشن کمیشن نے اس کے حجم کو دیکھ کر ہی سات مرحلوں میں یہاں انتخابات رکھے ہیں، رواں ماہ کی ۱۱/ ۱۵/ ۱۹/ ۲۳/ ۲۷/اور اگلے مہینے ۴/اور ۸/مارچ کو یہاں ووٹنگ ہونی ہے، ان میں سے کئی مرحلے مکمل ہوچکے ہیں۔

ان پانچ ریاستوں میں اتر پردیش سب سے اہم ہے۔ یہاں کی فتح کو لوک سبھا انتخابات کا پیش خیمہ کہا جاتا ہے۔ یہاں کل ۴۰۳/نشستیں ہیں، جب کہ گوا میں ۴۰/، پنجاب میں ۱۱۷/، اتراکھنڈ میں ۷۰/اور منی پور میں ۶۰/سیٹیں ہیں۔ ان نشستوں کو حاصل کرنے کے لئے سیاسی جماعتیں کیا کیا نہ کررہی ہیں!! وہی پرانے ہتھکنڈے، وہی پٹے پٹائے فارمولے، خوش کن وعدے، خوبصورت منصوبے، پرفریب نعرے۔

یوپی کی کرسی پر قبضہ کرنے کے لئے ہر جماعت نے ایڑی چوٹی کا زور لگا رکھا ہے۔ کوئی خوابوں کا حسین تاج محل دکھا رہی ہے تو کوئی اوج ثریا پر بٹھانے کی باتیں۔ کوئی ڈرا دھمکا رہی ہے تو کوئی زیر قدم پھول بچھانے میں غلطاں۔ اس وقت یہاں سماج وادی پارٹی کی حکومت ہے۔ حکمراں جماعت ایس پی اقتدار ہتھیانے کے ارادے سے نت نئے حربے اپنانے کے بعد بساطِ سیاست پر اپنے مہرے بٹھا چکی ہے۔ وہ الیکشن میں کھڑی تو ہوگئی، مگر جادوئی ہدف تک رسائی کا اس میں حوصلہ نہ تھا، اسے بیساکھیوں کی ضرورت تھی۔ لٹی پٹی کانگریس اپنے متاع گم گشتہ کی بازیابی میں سرگرداں۔ یوپی کی سرزمین اس کے لئے ویسے بھی سنگلاخ

رہی، پھر ۲۰۱۴ء میں مرکز سے بے دخلی کے بعد اس کی حیثیت اس سرکش یتیم بچے کی طرح ہوگئی کہ دیکھنے والے اس پر شفقت کی نظر تو ڈال دیتے ہیں، مگر اس کی سرکشی کے سبب اسے گلے نہیں لگاتے۔ کانگریس اس پوزیشن میں ہرگز نہیں تھی کہ اپنے بل بوتے پر کھڑی ہو، اسے بھی کسی کاندھے کی تلاش تھی، بی ایس پی نے منہ نہیں لگایا تو یہ کاندھا اسے ایس پی کی شکل میں مل گیا، اب دونوں ایک دوسرے کے ہم نوا بن گئے۔ ایس پی نے ۴۰۳ر میں سے ۲۹۸ر نشستیں اپنے پاس رکھیں، جب کہ زیادہ کی خواہاں کانگریس کو صرف ۱۰۵ر سیٹیں، تاہم اتحاد ہو گیا۔ ہم آہنگی چل رہی ہے۔ ریلیاں جاری ہیں۔ قدم بہ قدم شانہ بشانہ دونوں جماعتیں چل رہی ہیں، لیکن بہار کے طرز کا ''عظیم اتحاد'' بالآخر نہ بن سکا۔

اتر پردیش میں اس وقت جو پارٹیاں زیادہ سرگرم اور زیر بحث ہیں، ان میں ایس پی اور کانگریس سمیت بی ایس پی اور بی جے پی نمایاں ہیں، بہوجن سماج پارٹی پورے کیل کانٹے سے لیس ہو کر انتخابی اکھاڑے میں ہے۔ ایس پی کا انتخابی منشور مسلمانوں کے ذکر سے خالی ہے، جب کہ بی ایس پی نے سارا زور مسلمانوں پر لگایا ہے۔ یہ اس الیکشن کی واحد پارٹی ہے، جس کے ۹۹ر مسلم امیدوار میدان میں اترے ہیں۔ نتیجہ جو بھی ہو، فضائیں یہ کہہ رہی ہیں کہ ریاست کی حکومت سازی اور اقتدار میں بی ایس پی کا بھی بڑا کردار وحصہ رہے گا۔ بی جے پی نے اپنی تشہیر میں پوری طاقت جھونک دی، حتی کہ اس کے لیڈران (وزیر اعظم سمیت) نے اپنی اسی آتش افروزی کا مظاہرہ کیا جو اس کی شناخت رہی ہے، طلاقِ ثلاثہ، رام مندر اور یکساں سول کوڈ وغیرہ، لیکن اس کی ساری تدبیریں شاید الٹی جا رہی ہیں، پہلے مرحلہ کی زبردست ووٹنگ اور اس کے نتیجے میں ہونے والی قیاس آرائیاں کس روپ میں سامنے آتی ہیں یہی دیکھنا دلچسپ ہوگا۔

....

حسن اخلاق انسان کا وہ متاعِ گراں مایہ ہے، جسے زندگی کے ہر شعبے میں رائج ہونا چاہئے، یہ وہ زیور ہے جس سے افراد اور تنظیم کی ہستی سنورتی ہے۔ اخلاقِ حسنہ کا مظاہرہ لوگ کرتے بھی ہیں، مگر کم۔ اہل سیاست تو اس کی الف با سے بھی شاید واقف نہیں۔ اپنے حریف کو دبانے اور شکست دینے کے لئے جن اخلاق اور کردار کی نمائش کرتے ہیں اس کا تصور بھی نظیف وشریف طبائع کے لئے باعث عار ہے۔ جھوٹ پر جھوٹ، الزامات، اتہامات، بہتان بازیاں۔ بھاجپا نے اخلاقیات کا درس شاید نہیں لیا، اس کے رہنما ایسے قبیح فقرے کستے ہیں کہ قے آنے لگتی ہے۔ ۷ر جنوری کو میرٹھ میں ایک جلسۂ عام کو خطاب کرتے ہوئے زعفرانی لیڈر ساکشی مہاراج نے ہندوستان کی بڑھتی آبادی کا ذمہ دار مسلمانوں کو قرار دیتے ہوئے کہا کہ یہ لوگ چار شادیاں کرتے ہیں اور ۴۰ر بچے پیدا کرتے ہیں۔ ان کا یہ بیان اشتعال انگیز تو ہے ہی،

سفید جھوٹ بھی ہے۔اس میں کوئی دورائے نہیں کہ اسلام بیک وقت چار بیویاں رکھنے کی اجازت دیتا ہے، لیکن اس اجازت پر عمل بھی ہو رہا ہے، ایسا دیکھا نہیں گیا۔ مہاراج کے اس شرمناک بیان پر الیکشن کمیشن نے بذات خود نوٹس لیا اور ان کے خلاف ایف آئی آر درج کرائی گئی۔

جاری اسمبلی انتخابات کے لئے زعفرانی محاذ نے اپنا انتخابی منشور جاری کیا تو اس میں طلاق ثلاثہ، گئو کشی پر پابندی اور رام مندر کی تعمیر کو اصل موضوع بنایا۔ منشور جاری کرتے ہوئے بھاجپا صدر امت شاہ نے کہا کہ یوپی کا اقتدار بی جے پی کے ہاتھ لگا تو آئینی طریقے سے رام مندر کی تعمیر شروع کر دی جائے گی۔ طلاقِ ثلاثہ پر قدغن لگانے کے لئے اس کی حکومت سپریم کورٹ میں فریق بن کر کھڑی ہوگی۔ امت شاہ نے کیرانہ اور مغربی اتر پردیش سے لوگوں کی نقل مکانی اور آبادی میں تبدیلی کا مسئلہ بھی اٹھایا۔ اپنے اس بھاشن میں وہ یہ بھی کہہ گئے کہ بی جے پی حکومت بننے پر تمام غیر قانونی مذبح کو بند اور تمام مشینی مذبح پر پابندی لگا دی جائے گی۔

امت شاہ کی آتش فشانی اپنی جگہ، سنجو بالیان اور سریش رانا نے بھی وہ زبان استعمال کی ہے کہ اگر غیر بی جے پی لیڈران ہوتے تو زمین وآسمان ایک کر دیئے جاتے۔ ۳۰/جنوری کو ممبر پارلیمنٹ سنجیو بالیان نے ملائم سنگھ کو راڈار پر لیتے ہوئے کہا کہ ملائم کی سیاست سدا ہی فرقہ پرستی کے گرد رہی۔ اب تو ان کے مرنے کا وقت آ گیا ہے، ایسی ذہنیت اب تو بند کریں۔ اس سے بھی جارحانہ بھاشن یوپی بی جے پی کے صدر سریش رانا کا رہا۔ رانا نے کہا: اگر ہم جیت گئے تو کیرانہ، دیوبند اور مراد آباد میں کرفیو نافذ کر دیں گے۔ یہ وہی سریش رانا ہے جس کا نام ۲۰۱۳ء میں مظفر نگر فسادات سے جڑا تھا۔

لگے ہاتھوں بھگوا بریگیڈ کے دو مزید رہ نماؤں کی پھوہڑ بازی بھی سن لیجئے۔ ۳۱/جنوری کو ہاپوڑ ضلع کے ''دھولانا اسمبلی'' کے امیدوار اور چار بار کے سابق ممبر پارلیمنٹ رمیش چند تومر نے اپنی تقریر میں کہا کہ میرے مسلم دوست کا فون آیا تھا کہ ہم ۸۷/ہزار ہیں اور مزید ووٹروں کو ملالیں تو سوا لاکھ ہو جائیں گے۔ میں نے ان سے کہا کہ ہمارے پاس ڈھائی لاکھ ہیں۔ ان سوا لاکھ افراد کا علاج ہمارے پاس ہے۔ داڑھی والے ہمارے گھر میں گھسیں گے تو ہم ان کا علاج کر دیں گے۔ ڈھائی لاکھ میں سے اگر ۹۰/فیصد ووٹ کریں تو ڈیڑھ لاکھ کے گھر میں گھس جائیں گے۔ ان کی تقریر کا یہ حصہ خاصا اشتعال انگیز رہا کہ یوپی کے ''دھولانا'' کو ''مولانا اسمبلی'' بننے نہیں دیں گے۔ اسی اجلاس میں دوسرے لیڈر یوگی آدتیہ ناتھ نے رعونت کے ساتھ کہا کہ اگر ہندوؤں کی نقل مکانی روکی نہیں گئی تو یوپی کی سرزمین کشمیر بن جائے گی۔ بی جے پی رہ نماؤں نے الیکشن کمیشن کے مثالی ضابطۂ اخلاق کی جیسی دھجیاں اڑائی ہیں اس سے ان کی غیر ذمہ دارانہ روش

کا صاف پتہ چلتا ہے۔ الیکشن کمیشن نے ضابطۂ اخلاق نافذ کرتے ہوئے یہ بھی کہا تھا کہ اس بار مذہب کے نام پر ووٹ مانگنا جرم ہوگا۔ سپریم کورٹ کا بھی آرڈر یہی تھا، لیکن بھگوا جماعت نے کس کی سنی ہے کہ جو یہ سن لے گی؟ ان کی یہی بے لگامی اور ہذیان گوئی ہے کہ بھاجپا کی حلیف جماعت شیوسینا اس سے خفا خفا ہے۔ جارحانہ تبصرے اس کی طرف سے آرہے ہیں۔ یہ الیکشن کمیشن کے بھی امتحان کی گھڑی ہے، دیکھنا ہے کہ بھاجپا کے ''ضابطہ شکنوں'' کے خلاف کیا کارروائی کرتا ہے؟

....

بالآخر امریکہ کی صدارت اس خوں خوار کے ہاتھ میں چلی ہی گئی جس کے بیانات اور نفرت انگیز خیالات سے سنجیدہ طبقہ فکر مند وملول تھا۔ ۲۰/جنوری کو ڈونالڈ ٹرمپ نے امریکہ کے ۴۵/ویں صدر کے طور پر حلف اٹھا ہی لیا۔ یہ تقریب حلف برداری بھی امریکہ کی تاریخ کا ایک عجیب وغریب منظر نامہ تحریر کی گئی۔ ٹرمپ کی تقریب حلف برداری میں ۹/لاکھ افراد نے شرکت کی۔ کوئی ان کی صدارت پر جشن منا رہا تھا تو کوئی ان کے خلاف مظاہرے کر رہا تھا۔ امریکی صدارت پر ٹرمپ کی مسند نشینی نے دنیا کے ایک بڑے حصے کو آگ بگولہ کر دیا۔ سارے عالم میں ان کے خلاف احتجاجی مظاہرے ہوئے۔ یہ امریکہ تاریخ کے پہلے صدر ہیں جن سے اظہار نفرت کے لئے بقیہ دنیا ہی نہیں، خود امریکہ میں بھی مظاہرے ہوئے۔

ماضی قریب کے حالیہ امریکی صدریوں بھی قابل تعریف نہ تھے، تاہم جارج ڈبلیو بش اور اس کے بعد کے صدور دنیا کی ایک بڑی آبادی کی نظروں میں کھٹکتے رہے، جارج ڈبلیو بش نے انتہا پسندی کی وہ تاریخ رقم کی کہ انسانیت شرمسار ہوگئی۔ ۱۱/ستمبر ۲۰۰۱ء میں ورلڈ ٹریڈ سینٹر پر حملہ ہوا تو بش نے اس کی ساری ذمہ داری اسامہ بن لادن اور ان کی تنظیم ''القاعدہ'' پر ڈال دی۔ اسامہ کا قیام افغانستان میں تھا، بش نے لادن کے بہانے افغانستان کا جو حشر کیا، اس کے تصور سے ہی روح لرز جاتی ہے۔ لاشیں ہی لاشیں، کشتوں کے پشتے، عمارتیں ملبے کے ڈھیر میں تبدیل ہوگئیں۔ جنگ کا یہ سلسلہ افغانستان سے گزر کر عراق اور پھر لیبیا تک دراز ہوا۔ جارج بش کی یہی پالیسی نئے رنگ وروپ کے ساتھ براک اوبامہ نے بھی اپنائی، تاہم اُن کی جارحیت کا وہ انداز نہیں تھا جو اُن کے پیش روؤں نے اپنایا تھا۔ ان کے پیش نظر وہ عالمی غم وغصہ تھا جس نے بش کو روز افزوں سرنگوں کیا، نوبت بایں جا رسید کہ عراق کے ایک جرأت مند نامہ نگار ''منتظر زیدی'' نے ایک تقریب کے دوران ان کی طرف جوتا بھی اچھال دیا، جو اگر چہ ان کے جسم کو نہ لگا، لیکن پورے عالم میں ''جوتا خور'' کے طور پر ان کی شبیہ بن گئی۔

اب امریکہ میں ٹرمپ کا دور ہے۔ ٹرمپ اپنی دریدہ دہنی، سخت گیری اور غیر اخلاقی مزاج کے باعث

قابلِ نفرت سمجھے جاتے ہیں، اوراب تو ماہرین امراض نے انہیں ذہنی مریض قرار دے دیا۔ ان کی جنونی روش پر خود ان کے شہریوں نے احتجاجی جلوس نکالے۔ انہیں اسلام سے سخت ترین نفرت ہے، اسلام کے تئیں ان کی نفرت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ انہوں سات مسلم ممالک پر امریکہ میں داخلہ کو ممنوع قرار دے دیا۔ ایران، عراق، لیبیا، صومالیہ، سوڈان، شام اور یمن کے شہریوں پر امریکی دروازے بند کردیئے۔ اس پابندی کا عنوان ''انسداد دہشت گردی'' قرار پایا۔ ۲۸/جنوری کو ٹرمپ نے ایگزیکٹیو نامے پر یہ کہہ کر دستخط کئے کہ اس فیصلے سے دہشت گردی کے حملوں سے بچاؤ میں مدد ملے گی۔ ان کے اس جارحانہ فیصلے سے مخالفتوں کا ایک طوفان کھڑا ہوگیا۔ فیس بک کے بانی مارک زکر برگ نے کہا کہ میں اس حکم نامے پر کافی پریشان ہوں، کیوں کہ وہ بھی کئی دوسرے امریکیوں کی طرح پناہ گزینوں ہی کی اولاد ہیں۔ انٹرنیٹ سائٹ گوگل نے بھی اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ مجھے کسی بھی ایسے حکم یا اقدار پر تشویش ہے جس کی وجہ سے باصلاحیت افراد امریکہ نہ آسکیں۔ یہ اوراس جیسے متعدد تبصرے ردعمل میں سامنے آئے۔ ایران نے امریکہ کو کرارا جواب دیتے ہوئے امریکی شہریوں کے داخلے پر اپنے ملک میں پابندی لگادی۔ ٹرمپ کی انتہا پسندی اور جنگجویانہ طبیعت کا ایک مظاہرہ تقریب حلف برداری میں بھی سامنے آیا تھا۔ انہوں نے کہا تھا کہ دنیا سے اسلامی دہشت گردی کا مکمل صفایا کردیں گے۔ ان کی بدفطری کا ایک اظہار الیکشن کے دوران بھی ہوا تھا جب انہوں نے کہا تھا کہ اپنے دورِ صدارت میں مسلمانوں کو امریکہ سے نکال باہر کریں گے۔

کوئی اس حقیقت کو سمجھے یا نہ سمجھے، مگر تاریخ نے نوٹ کیا ہے کہ ایسے ظالم وجابر کو نشانِ عبرت بننے میں وقت نہیں لگتا، ٹرمپ ہی کو دیکھئے کہ اس کے خلاف امریکی شہری آزادی کی تنظیم اے سی ایک یو نے صدر کے حکم نامے کے خلاف مقدمہ دائر کردیا، جس میں عدالت نے ٹرمپ کے فیصلے پر حکم امتناعی نافذ کردیا، ٹرمپ کی سخت گیری کی ایک وجہ یہود سے قربت ہے۔ خبر ہے کہ اس کی انتظامیہ میں ۱۱/یہودی اعلیٰ عہدوں پر تعینات ہیں۔ ٹرمپ کو جتانے میں ۲۴/فی صد ووٹ یہودیوں کا تھا۔ آنے والے دور میں دنیا کا نقشہ کیا ہوگا، کچھ کہنا مشکل ہے، لیکن اتنا اندازہ ہو ہی چلا ہے کہ مسلمانوں کے لئے حالات مزید پریشان کن رہیں گے۔ اللہ عزوجل اہل اسلام کا حامی وناصر ہو۔

حضرت محدثِ کشمیریؒ کا ذوقِ تفسیری

حضرت مولانا قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی

کتاب اللہ العظیم قرآن کریم کی جلالت وعظمت کے پیش نظر اس کے فہم وتفہیم اور تاویل وتفسیر کے آداب وشروط پر علمائے محققین نے مفصل گفتگو کی ہے۔(حافظ عماد الدین بن کثیر دمشقی، علامہ جلال الدین سیوطی، حافظ ابن تیمیہ، حضرت امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ، علامہ عبدہ المصری وغیرہم نے اپنے اپنے انداز میں دادِ تحقیق دی ہے) ماحصل یہ ہے کہ قرآن کریم، جہاں تک ایمان کی تازگی، نصیحت پذیری، اقوام سابقہ کے واقعات سے عبرت اندوزی اور دینی ودنیوی فلاح وصلاح کے بنیادی اصول سے واقفیت کا تعلق ہے وہ ایک آسان کتاب ہے اس کے صفحات ہر طالب حق کے لئے آئینہ رشد وہدایت ہیں۔یہی منشاء ہے اس ارشاد کا:

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ۞

''اور ہم نے قرآن کو نصیحت پذیری کے لئے آسان بنایا، تو کیا ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا؟''

لیکن جہاں تک قرآن کریم کے مقاصد عالیہ کو سمجھنے، ان کے اسرار وحکم سے واقفیت حاصل کرنے، اس سے احکام شرعیہ کو مستنبط کرنے اور زندگی کے ہر پہلو سے متعلق تفصیلی رہنمائی حاصل کرنے کا تعلق ہے۔ علامہ سیوطی صاحب ''الاتقان'' نے پندرہ علوم میں مہارت شرط قرار دی ہے تاہم چند شرائط ضروری ہیں:

پہلی شرط یہ ہے کہ عربی زبان کا صحیح ذوق ہو، علوم ادبیہ پر گہری نظر ہو۔ محاسنِ زبان واسالیب بیان کا اداشناس ہو۔ کسی بھی زبان کے ادبا وبلغاء کے کلام سے استفادہ کے لئے یہ بنیادی شرط ہے۔ اقبال وغالب کے کلام کا مطالعہ بھی اس کے بغیر ممکن نہیں۔ اس کلام کا کیا ذکر ہے جس کے معانی کی طرح اس کے الفاظ بھی معجزانہ ہوں۔

(۲) دوسری شرط یہ ہے کہ صاحب کتاب، مہبطِ وحی، رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت سنیہ پر گہری نظر ہو، اس لئے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی مقدس بندہ کا رسالت کے لئے انتخاب فرماتا ہے تو اسے اپنے بھیجے ہوئے پیغام کو سمجھنے اور دوسروں کو سمجھانے کی صلاحیت بھی عطا فرماتا ہے۔

وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِى اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۙ

''اے پیغمبر ﷺ! ہم نے آپ پر یہ کتاب اسی لئے اتاری ہے تا کہ جن باتوں میں لوگوں میں اختلاف ہے، آپ ان کی وضاحت کردیں۔''

پیغمبر کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک خاص فہم عطا ہوتی ہے جس سے وہ کتاب اللہ کی تبیین وتوضیح کرتا ہے۔ وہ بھی وحی ہی ہوتی ہے مگر غیر متلو۔ حافظ ابن کثیرؒ امام شافعیؒ کے حوالہ سے فرماتے ہیں:

والسُنَّةُ أيضاً تُنزَّلُ عَلَيهِ بِالوحيِ كَمَا يَنَزّلُ القُرآنُ اِلّآ اَنَّهَا لا يُتلٰى كَمَا يُتلٰى القُرآنُ

(تفسیر ابن کثیر، مقدمہ مطبوعہ مصر)

یہی نہیں بلکہ اس کی زندگی کو حق شناسی اور خداپرستی کے سانچہ میں ڈھال کر امت کے لئے اسوۂ اور نمونہ بنایا جاتا ہے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

''تمہارے لئے اللہ کے پیغمبر کی ذات میں بہتر نمونۂ زندگی ہے۔''

پھر پیغمبر خدا ﷺ کے اقوال و اعمال سے قطع نظر کرکے وحی الٰہی اور پیغامِ خداوندی سے کس طرح استفادہ کیا جاسکتا ہے۔ دنیوی حکومتوں میں بھی کسی ملک کے سربراہ کے فرمان اور گورنمنٹ کی پالیسی کی وضاحت کے سلسلے میں اس ملک کے سفیر کا بیان ہی ذمہ دارانہ حیثیت رکھتا ہے اور اسی پر اعتماد کیا جاسکتا ہے۔

بہر حال قرآن کی تفسیر وتشریح کے لئے صاحبِ قرآن ﷺ کی سنت سنیہ پر گہری نظر ضروری ہے۔ اسی کے ساتھ اس مقدس گروہ کے اقوال وآثار پر بھی نظر ہونی چاہئے، جس نے دبستانِ نبوت میں براہِ راست پیغمبر خدا ﷺ سے تعلیم حاصل کی اور جنہوں نے اس معاشرہ کی تشکیل کی جو قرآنی رنگ میں رنگا ہوا تھا۔ علامہ ابن خلدون مقدمہ میں لکھتے ہیں:

وكان النبى ﷺ يبين المجمل ويميز الناسخ والمنسوخ ويعرّفه اصحابه فعرفوه وعرفوا سبب نزول الآيات ومقتضى الحال منها منقولاً عنه (مقدمه ابن خلدون: ص: ۳۸۳، مطبوعه مصر)

(۳) تیسری شرط: ''تقویٰ'' ہے۔ تقویٰ کے معنی ہیں اللہ تعالیٰ سے ڈرنا اور اس کے نتیجہ میں ان باتوں سے احتراز کرنا جو اس کی ناراضی کا سبب ہوسکتی ہیں۔ تقویٰ کا ابتدائی درجہ یہ ہے کہ بندہ کے دل میں خدا کا ڈر ہو اور درجۂ کمال یہ ہے کہ خوفِ خدا کے سبب نہ صرف ممنوعاتِ شرعیہ کو چھوڑ دے بلکہ بعض ان مباحات سے بھی دستبردار ہوجائے جن کے متعلق اندیشہ ہو کہ وہ موصل الی المعاصی ہوسکتی ہیں۔ امام راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

ویتم ذٰلک بترک بعض المباحات لما رُویَ الحلالُ بینٌ والحرام بینٌ وبینهما مشتبهاتٌ ومَن وقع حَولَ الحِمٰی فحقیقٌ أن یقع فیه (مفردات امام المرغب)

اس کی تکمیل بعض مباحات کے ترک سے ہوتی ہے کیوں کہ پیغمبر ﷺ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی اور ان دونوں کے درمیان مشتبہ چیزیں ہیں۔ (لہٰذا بڑی احتیاط کی ضرورت ہے کیوں کہ) جو شخص محفوظ چراگاہ کے آس پاس اپنے جانور چرائے گا وہ اس میں داخل ہوسکتا ہے۔

پھر جس طرح تقویٰ کے مدارج ہیں اسی طرح ہدایت کے بھی درجات ہیں۔ قرآنی ہدایات کا ابتدائی درجہ حاصل کرنے کے لئے تقویٰ کا ابتدائی درجہ ضروری ہے چنانچہ فرمایا گیا: ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ (راہ بتاتی ہے ڈروالوں کو)

حضرت شاہ عبدالقادرؒ نے مذکورہ بالا ترجمہ فرما کر بہت سے شبہات کو ختم فرمادیا۔ ظاہر ہے کہ جس کے دل میں خوفِ خدا ہی نہ ہوگا وہ خدا کی کتاب سے کیا فائدہ اٹھاسکتا ہے؟

البتہ ہدایت کے اعلیٰ درجہ تک وصول تقویٰ کے اعلیٰ درجہ کے حصول پر منحصر ہے اس لئے معارفِ قرآنی سے کماحقہ، وہی بہرہ اندوز ہوسکتا ہے جسے تقویٰ کا اعلیٰ درجہ حاصل ہو، لہٰذا مفسر قرآن کے لئے ضروری ہے کہ وہ متقی بھی ہو۔ اس کا فائدہ یہ بھی ہوگا کہ تفسیر قرآنی میں وہ خواہش نفسانی کا پیرو نہ ہوسکے گا اور اس کی تفسیر، تفسیر بالرائے نہ ہوگی۔

(۴) یہ تینوں صفات جن کا ذکر کیا گیا ہے اکتسابی ہیں۔ ان کے علاوہ ایک صفت اور بھی ہے جس کا تعلق محض اللہ تعالیٰ کی موہبت و کرم سے ہے۔ جس طرح پیغمبر خدا کو خدا کی طرف سے ایک خاص فہم اور ایک مخصوص بصیرت نبوت عطا ہوتی ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کے بعض نیک نہاد اور پاک باز بندوں کو بھی اس نورِ بصیرت کا کچھ حصہ ملتا ہے اگر چہ اس کے لئے تقویٰ شرط ہے مگر علت نہیں۔ یعنی ضروری نہیں کہ جو متقی ہو اسے یہ نورِ بصیرت بھی عطا ہو۔ علامہ سیوطیؒ فرماتے ہیں:

علم الموهبة وهو علمٌ یورثه الله تعالیٰ لمن عمل بما علم والیه الاعادة بحدیث من عمل بما عَلِمَ وَرَّثه الله تَعَالٰی عِلْمَ مَالَمْ یَعْلَمْ (الاتقان: ج ۱، ص: ۱۸۱، مطبوعہ مطبع ازهریہ مصر)

(۵) یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام میں بعض صغیر السن صحابہ کو اس عطیۂ خداوندی کا حصہ ان حضرات سے زیادہ مل گیا جو مقابلۂ صحبتِ رسول اللہ ﷺ سے زیادہ مستفید ہوئے تھے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس جو اصاغر صحابہ میں تھے قرآن فہمی میں امتیازی مقام رکھتے تھے۔ حضرت عمر جیسے جلیل القدر صحابی تفسیر قرآن میں ان کی طرف رجوع کرتے تھے اور عبداللہ بن مسعود جیسے فاضل صحابی کا قول تھا کہ:

"نِعْمَ تَرْجُمَانُ القرآن عبداللہ بن عباس"
اس کا سبب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا بھی تھی۔

اسی طرح ہندوستان میں حضرت الامام الحجۃ شاہ ولی اللہ دہلویؒ کا خانوادہ یوں تو سب کا سب "ایں خانہ ہمہ آفتاب است" کا مصداق تھا، مگر یہ امر مسلم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن فہمی کے باب میں حضرت شاہ عبدالقادرؒ کو بصیرتِ خصوصی عطا فرمائی تھی، اس میں ان کا کوئی شریک وسہیم نہ تھا۔

اس تفصیل کے بعد میں یہ عرض کروں گا کہ حضرت الامام علامہ انور شاہ کشمیری میں یہ تمام صفات بدرجہ کمال پائی جاتی تھیں۔ عربی تقریر وتحریر اور نظم ونثر پر قدرت میں وہ مصر وشام کے ادباء کے ہم پلہ تھے۔ ان کی عربی زبان میں برجستہ تقریریں، ان کی عربی تصنیفات، ان کے بلند پایہ عربی قصائد، ادب عربی میں ان کے کمال اور ان کے اعلیٰ لسانی ذوق کے شاہد عادل ہیں۔

۱۳۲۰ھ میں علامہ رشید رضا مصری مدیر "المنار" کی دیوبند تشریف آوری پر حضرت شاہ صاحب نے علمائے دیوبند کے درسِ حدیث کی خصوصیات پر جو محدثانہ ومحققانہ برجستہ عربی تقریر ارشاد فرمائی اس کو سن کر سننے والے حیران رہ گئے اور خود علامہ رشید رضا کا تو حال یہ تھا کہ بار بار کرسی سے اٹھتے تھے اور فرماتے تھے۔
"ما رأیت مثل هذا الرجل قط" (نظام تعلیم وتربیت از مولانا مناظر احسن گیلانی)

حضرت شاہ صاحب کے ارتجالاً شعر کہنے کا خود راقم الحروف کو ذاتی تجربہ ہے۔ ۱۹۲۹ء کا ہنگامہ خیز دور تھا۔ حضرت والا دولت کدہ پر بیرونی ومقامی اصحاب کے ایک مجمع میں گھرے بیٹھے تھے۔ کچھ اخبار نویس ہنگامۂ دیوبند سے متعلق آپ کا بیان لے رہے تھے، کشمیر کے ایک مہمان بھی مصروفِ گفتگو تھے، عین اس وقت یہ ظلوم وجہول پڑھا اور حضرت کے سامنے اپنا ایک تازہ قصیدہ جسے اخبار میں چھپوانا تھا پیش کر دیا۔ حضرت نے اس بیباکی اور بے ادبی پر تنبیہ کے بجائے قلم ہاتھ میں لے کر فوراً مصرعے کے مصرعے تبدیل فرما دیئے، یہ اصلاح شدہ قصیدہ میرے پاس محفوظ ہے۔

جہاں تک سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تعلق ہے اس سلسلہ میں کچھ کہنا آفتاب کو چراغ دکھانا ہے۔ کم از کم آپ کے زمانے میں اور اس کے بعد پورے عالم اسلام میں اس شان کا محدث پیدا نہیں ہوا اور علمائے ہند ہوں یا فضلائے مصر وشام وحجاز، یہ سب ہی کا متفقہ فیصلہ ہے۔ علامہ رشید رضا کے فضل وکمال سے وہ لوگ واقف ہیں جنہوں نے آپ کی مرتبہ تفسیر "المنار" کا مطالعہ کیا ہے، ان کا اعتراف اوپر گزر چکا ہے۔ ایک دوسرے عالم اسلام کے عہد حاضر کے فاضل علامہ زاہد الکوثری نے حضرت شاہ صاحب کی بعض تصنیفات کا مطالعہ کرنے کے بعد فرمایا:

''احادیث سے دقیق مسائل کے استنباط میں شیخ ابن ہمام صاحب فتح القدیر کے بعد ایسا محدث وعالم امت میں نہیں گزرا۔''

تیسری شرط تقویٰ تھی۔ اس سلسلہ میں اس ماضی قریب کے ایک جلیل القدر بزرگ ومرشد حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ کا ایک ارشاد نقل کرنا کافی ہے۔ آپ نے فرمایا۔

''کچھ دن میں نے حضرت شاہ صاحب سے پڑھا ہے، ایک دفعہ سنہری مسجد امینیہ میں گیا تو دیکھا کہ حضرت حجرہ میں دروازہ بند کئے ذکر جہری میں مصروف ہیں، آپ اس زمانہ میں جوان العمر ہی تھے۔ آپ کا دستور یہ تھا کہ باہر تشریف لے جاتے تو سر پر رومال ڈال کر آنکھوں کے سامنے پردہ کر لیتے کہ مبادا کسی غیر محرم پر نظر نہ پڑ جائے۔''

چوتھی شرط موہبتِ خداوندی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ حضرت شاہ صاحب اللہ تعالیٰ کے اس انعام خصوصی سے بھی بہرہ اندوز تھے۔ یہی وجہ ہے کہ تفسیر قرآن کریم اگرچہ آپ کا موضوع نہ تھا مگر احادیث پر گفتگو فرماتے ہوئے ضمناً یا بخاری شریف کی کتاب التفسیر سے گزرتے ہوئے جہاں کہیں بھی کچھ آپ نے تفسیر قرآن کریم کے سلسلہ میں فرمادیا ہے وہ اپنی جگہ قول فیصل اور حرفِ آخر کی حیثیت رکھتا ہے۔

اب میں اس سے قبل کہ حضرت علامہ کے تفسیری افادات میں سے چند دُرَرِ غُرَرْ آپ کے سامنے پیش کروں ایک بات عرض کرنا چاہتا ہوں۔

یہ بات امر واقعہ ہے کہ علوم قرآنیہ پر وسیع نظر کے باوجود حضرت شاہ صاحب حافظ قرآن نہ تھے۔ مولانا مناظر احسن گیلانی نے لکھا ہے کہ میں نے حضرت شاہ صاحبؒ سے عرض کیا: ''حضرت! آپ کا حافظہ تو قرآن کریم کو چند دنوں میں حفظ کر سکتا تھا پھر کیا بات ہے (کہ آپ نے قرآن حفظ نہ کیا)؟ حضرت شاہ صاحب نے جواب دیا ''قسمت، بخت، واللہ اعلم'' مولانا گیلانی کے اس بیان کو ڈاکٹر رضوان اللہ صاحب ریڈر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ نے بھی اپنے مقالہ میں نقل کیا ہے۔ مولانا گیلانی کو حضرت شاہ صاحبؒ نے یہی جواب دیا ہوگا۔ مگر میں نے اپنے زمانہ طالب علمی میں اپنے دوست مولوی جمیل الدین صاحب میرٹھی (حال ریٹائرڈ رجسٹرار جامعہ عالیہ بھاولپور) سے سنا کہ حضرت شاہ صاحبؒ سے یہی سوال کیا تو آپ نے فرمایا ''بچپن میں تو والدین نے اس طرف متوجہ نہ کیا، اب یہ ممکن نہ رہا۔ اس لئے کہ قرآن کریم کی جو آیت پڑھتا ہوں معارف قرآن کا ایک طوفان سا امنڈ آتا ہے۔ الفاظ ذہن سے نکل جاتے ہیں اور معانی ومطالب کی وادیوں میں گم ہو جاتا ہوں'' مجھے یقین ہے کہ اصل بات یہی تھی، تاہم جہاں تک اپنی معلومات ہیں حضرت شاہ صاحبؒ کو قرآن کریم پر بڑی دسترس حاصل تھی۔ مجھے ایک واقعہ یاد ہے کہ قادیانیوں نے

میرٹھ کنٹونمنٹ کی ایک مسجد پر قبضہ کرنا چاہا، مسلمانوں نے مزاحمت کی، حکومت نے تصفیہ کے لئے نواب اسماعیل خان مرحوم کو ثالث مقرر کر دیا۔

صورت مناظرہ کی سی پیدا ہوگئی۔ قادیانی مولوی نے کہا ہم غیر آباد مسجد کو آباد کرنا چاہتے ہیں اور یہ لوگ ہمیں روکتے ہیں۔ پھر قرآن کریم کی یہ آیت پڑھی:

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا

(اس شخص سے زیادہ ظالم کون ہوسکتا ہے جس نے اللہ کی مسجدوں میں اس کا ذکر کرنے سے روکا اور ان کو اجاڑنے کی کوشش کی)

حضرت شاہ صاحبؒ نے برجستہ جواب دیا:

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِيَ اِلَيَّ وَلَمْ يُوْحَ اِلَيْهِ شَيْءٌ

(اس شخص سے زیادہ ظالم کون ہوسکتا ہے جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹا بہتان باندھے یا کہے کہ مجھ پر وحی اتری ہے حالانکہ اس پر قطعاً وحی نہیں اتری)

اب میں اپنے موضوع پر آتا ہوں اور حضرت شاہ صاحب کے تفسیری ذوق کے چند نمونے آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں:

قرآن کریم میں سورۂ حج میں فرمایا گیا ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ ۚ فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝۵۲

یہ آیت مہمات آیات میں سے ہے۔ مفسرین قدیم وجدید نے اس کی تفسیر میں اپنے اپنے ذوق کے مطابق نکتہ سنجیاں کی ہیں۔ مدارِ بحث یہ امور ہیں کہ تمنی کے معنی آرزو کرنا ہے یا پڑھنا، امنیۃ سے آرزو اور خواہش مراد ہے یا کلام؟ اِلْقَاءُ الشَّيْطَان سے شیطان کی وسوسہ اندازی مراد ہے یا دخل اندازی یا مزاحمت، اور آیات کے احکام سے کیا مقصود ہے؟

قاضی بیضاویؒ نے تین اقوال اس کی تفسیر میں نقل کئے ہیں جن میں سے دو میں واقعۂ غرانیق مراد لیا ہے، اس قصہ کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قریش کی مجلس میں بیٹھے اور آپ نے ان کو سورہ النجم سنائی تو اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى ۝۱۹ وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى ۝۲۰ کے بعد آپ کی زبان مبارک سے سبقت لسانی سے یہ الفاظ نکل گئے: تِلْكَ الْغَرَانِيْقُ الْعُلٰى یا شیطان نے آپ کی آواز میں آواز ملا کر کہہ دیئے۔ یہ قصہ روایت کے اعتبار سے ساقط الاعتبار اور مفہوم کے لحاظ سے مردود ہے۔ اگر اسے صحیح تسلیم کرلیا

جائے تو صاحب وحی کی عظمت اور وحی الٰہی کی حجیت مجروح ومشکوک ہوکر رہ جاتی ہے۔ حالاں کہ سارے دین کی بنیاد انہی پر ہے۔ علامہ قسطلانی نے لکھا ہے کہ اس کی سند میں مختلف ائمہ نے طعن کیا ہے، یہاں تک کہ ابن اسحاق امام سیرت نے کہہ دیا ہے کہ یہ زندیقوں کا گھڑا ہوا ہے اور خود قاضی صاحب نے بھی لکھ دیا ہے کہ کسی صاحب صحیح محدث نے اس کا ذکر نہیں کیا۔ قاضی صاحب کے تیسرے قول کا جسے انہوں نے مرجح قرار دیا ہے، خلاصہ یہ ہے کہ ہر رسول اور نبی کے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا کہ جب اس نے کوئی آرزو کی تو شیطان اس کی آرزو میں وہ باتیں ڈال دیتا تھا جن سے وہ دنیا میں الجھ جائے (**اذا زوّر فی نفسه مایهواه القی الشیطان فی تشهیه مایو جب ا شتغاله با لدنیا**) پھر اللہ تعالیٰ اس القائے شیطان کو نابود کردیتا تھا۔ اس تفسیر میں انہوں نے تمنی سے آزور کرنا امنیۃ سے آرزو اور القاء الشیطان سے شیطان کا اس میں آمیزش کرنا مراد لیا ہے۔

یہ تفسیر اگرچہ عصمت نبوت کی قادح نہیں مگر عظمت نبوت کے منافی ہے۔ علامہ جلال الدین المحلیؒ اور حافظ عماد الدین بن کثیرؒ نے بھی ان ہزلیات کا اپنی تفسیروں میں ذکر کردیا ہے۔ اگرچہ حافظ صاحب نے بعد میں فرمادیا: وَلٰكِنَّهَا مِنْ طَرِيْقِ كُلِّهَا مُرْسَلَةٌ وَلَمْ اَرَهَا مسندةً مِنْ وَجْهٍ صحيح (تفسیر ابن کثیر: ج ۳، ص ۲۲۹)

مشہور مفسرین ومترجمین ہند میں سے کسی نے اپنے ترجمہ وتفسیر کی بنیاد ان لغویات پر نہیں رکھی۔

اب میں اختصار کے ساتھ پہلے چند بزرگوں کے ترجمے اور مختصر طور پر تشریحی جملے پیش کروں گا۔ پھر حضرت علامہ کشمیریؒ کی پسندیدہ تفسیر بیان کروں گا۔

(۱) حضرت امام الہند شاہ ولی اللہ الدہلویؒ اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں:

''ونہ فرستادیم پیش از تو ہیچ فرستادہ ونہ ہیچ صاحب وحی الا چوں آرزوئے بخاطر بست بیفگند شیطان چیزے در آرزوے وے۔ پس دور می کند خدا آنچہ شیطان انداختہ است باز محکم می کند خدا آیات خود را اوخدا دانا وباحکمت است''۔

اس پر حاشیہ ہے: مثلاً آں حضرت ﷺ بخواب دیدند کہ ہجرت کردہ اند بزمینے کہ نخل بسیار دارد۔ پس وہم بجانب یمامہ وہجر رفت ودر نفس الامر مدینہ بود الخ۔

مذکورہ بالا تفسیر میں القائے الشیطان سے مراد یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کوئی خواب دیکھتے تھے تو کبھی کبھی اپنی طبیعت کے میلان کی بناء پر اس کی تعبیر میں مقام یا وقت کے تعین میں مسامحت ہوجاتی تھی۔ پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی کے ذریعہ یا اس واقعہ کے ظہور کے ذریعہ اس مسامحت کو دور فرمادیا جاتا تھا۔

(۲) آپ کے فرزندار جمند حضرت شاہ عبدالقادر دہلویؒ فرماتے ہیں:

''اور جو رسول بھیجا ہم نے تجھ سے پہلے یا نبی، سو جب لگا خیال باندھنے شیطان نے ملا دیا اس کے خیال میں۔ پھر اللہ مٹاتا ہے شیطان کا ملایا، پھر پکی کرتا ہے اپنی باتیں اور اللہ سب خبر رکھتا ہے حکمتوں والا''۔

حضرت شاہ صاحبؒ فوائد میں رقم طراز ہیں:

نبی کو ایک حکم اللہ سے آتا ہے اس میں ہرگز تفاوت نہیں، اور ایک اپنے دل کا خیال اس میں جیسے اور آدمی کبھی خیال ٹھیک پڑا کبھی نہ پڑا۔ جیسے حضرت نے خواب میں دیکھا کہ مدینہ سے مکہ گئے، عمرہ کیا۔ خیال آیا کہ شاید اب کے برس وہ ٹھیک پڑا اگلے برس۔ یا وعدہ ہوا کافروں پر غلبہ ہوگا۔ خیال آیا اب کے لڑائی میں، اس میں نہ ہوا۔ پھر اللہ بتا دیتا ہے کہ جتنا حکم تھا اس میں تفاوت نہیں۔

مقصد دونوں بزرگوں کا ایک ہی ہے۔ مگر الجھن یہ پیدا ہوتی ہے کہ کیا نبی کی وحی میں (اگرچہ وہ خواب ہی کی صورت میں ہو) غلط خیال کی آمیزش ہوسکتی ہے اور نبی اس خیال کی بنیاد پر کوئی ایسا اہم اقدام کرسکتا ہے جیسا کہ واقعہ حدیبیہ میں کیا گیا۔

(۳) حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ ترجمہ میں فرماتے ہیں:

''ہم نے آپ سے قبل کوئی رسول اور کوئی نبی ایسا نہیں بھیجا جس کو یہ قصہ پیش نہ آیا ہو کہ جب اس نے کچھ پڑھا شیطان نے اس کے پڑھنے میں شبہ ڈالا۔ پھر اللہ تعالیٰ شیطان کے ڈالے ہوئے شبہات کو نیست و نابود کر دیتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنی آیات کو زیادہ مضبوط کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ خوب علم والا ہے۔''

حضرت تھانویؒ نے تمنی کو بمعنی قراءۃ کیا ہے جو اس کے مجازی معنی ہیں اور امنیۃ کو بمعنی متلو لے کر اس سے آیات متشابہات مراد لی ہیں اور القاء الشیطان سے شیطان کی وسوسہ اندازی اور احکامِ آیات سے آیاتِ محکمات کی تنزیل۔

(۴) مفسر عصر حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے بھی اپنے فوائد القرآن میں اسی موقف کو اختیار فرما کر اس کی مزید وضاحت فرمائی ہے، آپ لکھتے ہیں:

احقر کے نزدیک بہترین اور سہل ترین تفسیر وہ ہے جس کی مختصر اصل سلف سے منقول ہے۔ یعنی تمنی کو بمعنی قراءۃ و تلاوت یا تحدیث کے اور امنیہ کو بمعنی متلو یا حدیث کے لیا جائے۔ مطلب یہ ہے کہ قدیم سے عادت رہی ہے کہ جب کوئی نبی یا رسول کوئی بات بیان کرتا یا اللہ کی آیات پڑھ کر سناتا ہے۔ شیطان اس کی بیان کی ہوئی بات یا آیت میں طرح طرح کے شبہات ڈالتا ہے۔ یعنی بعض باتوں کے متعلق بہت لوگوں کے دلوں میں وسوسہ اور شکوک و شبہات پیدا کر دیتا ہے، مثلاً نبی نے آیت حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ پڑھ کر

سنائی، شیطان نے شبہ ڈالا کہ دیکھو اپنا مارا ہوا تو حلال اور اللہ کا مارا ہوا حرام کہتے ہیں۔ اس القائے شیطانی کے ابطال و رد میں پیغمبر علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی وہ آیات سناتے ہیں جو بالکل صاف اور محکم ہوں اور ایسی پکی باتیں بتاتے ہیں جن کو سن کر شک و شبہ کی قطعاً گنجائش نہ رہے۔ گویا متشابہات کی ظاہری سطح کو دیکھ کر شیطان جو اغوا کرتا ہے، آیات محکمات اس کی جڑ کاٹ دیتی ہیں، جنہیں سن کر تمام شکوک و شبہات کافور ہو جاتے ہیں۔

یہ تفسیر و توضیح سادہ اور واضح ہے مگر اس میں بھی خلجان یہ پیدا ہوتا ہے کہ اندازِ کلام سے متبادر ہوتا ہے کہ ہر نبی اور رسول کے ساتھ یہ صورت پیش آئی کہ جب اس نے آیات متشابہات اپنی قوم کو سنائیں تو شیطان نے ان میں شکوک و شبہات پیدا کئے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آیاتِ محکمات نازل فرما کر ان شبہات کو دور فرما دیا۔ حالاں کہ ہر نبی کے لئے صاحب کتاب ہونا بھی ضروری نہیں۔

نیز یہ بھی واقعہ ہے کہ تمنی کے حقیقی معنی آرزو کرنا ہی ہیں، قراءۃ کے معنی میں اس کا استعمال مجازی ہے۔ جیسا کہ امام راغب کی تشریح سے مستفاد ہوتا ہے۔

ان التمنی کما یکون عن ظن و تخمین فقد یکون عن رویة و بناء علی اصل، ولما کان النبی ﷺ کثیراً ما کان یبادر إلی ما نزل به الروح الامین علی قلبه حتی قیل له لا تعجل بالقرآن الآیة و لا تحرک به لسانک لتعجل به سمی تلاوته علی ذلک تمنیاً (مفردات)

(۵) اب میں اس تفصیل کو مختصر کر کے حضرت الامام الکشمیری کی اختیار فرمودہ تفسیر پیش کرتا ہوں۔ آپ فرماتے ہیں:

انبیائے کرام کی تمنی سے مراد وہ آرزو ہے جو ان کے دلوں میں اپنی امتوں کے ایمان کے بارے میں پیدا ہوتی ہے کہ کاش سب ہی ایمان لے آتے اور القاء الشیطان سے مراد شیطان کا ان کی امت کے لوگوں کو اغوا کرنا اور ایمان کے راستہ سے ان کو روکنا ہے۔ جس کے نتیجہ میں وہ ان کی آرزو کے مطابق ایمان قبول نہیں کرتے اور یہ بلیغ محاورہ ہے۔ کہا جاتا ہے فلان القی فی امنیتی یعنی فلاں میرے اور میری آرزو کے درمیان حائل ہو گیا۔ اس کے بعد اللہ تبارک و تعالیٰ جو اسے منظور ہے، کرتا ہے، جن کی تقدیر میں ایمان لانا ہوتا ہے ایمان لاتے ہیں اور شیطان ان کے معاملہ میں کامیاب نہیں ہوتا، لیکن جن کے لئے بدبختی مقدر ہو چکی ہوتی ہے وہ اس کے جال میں پھنس جاتے ہیں اور کافر بن جاتے ہیں۔ یہی معنی ہیں: فَيَنْسَخُ اللهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطَانُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللهُ آياته کے۔

أما وجه الآیة فاقول ان تمنی الانبیاء علیهم السلام عبارة عمّا تتحدث به انفسهم فی حق

ایمان اممھم، أنّھم لَوْ آمنوا کُلِّھِمْ والقاءُ الشیطان فیھا عبارۃ عن اغوائہ ایاھم وصدھم عن سبیل الایمان فلا یومنون حسب امنیتھم وھذہ محاورۃ بلیغۃٌ یقال فلانٌ القی فی امنیتی، ای حال بینی وبینھا، ثم اللہ یفعل فیھم ماھو فاعل، فیومن من قُدِّر لھم الایمان ولا ینجح فیھم اللعین وأما من قدّرت لہ الشقاوۃ فیتبعونہ فیکفرون وھو معنی قولہ فینسخ اللہ ما یلقی الشیطان ثم یحکم اللہ آیاتہ۔ (فیض الباری: ج:۴ص: ۲۰۹)

اس تفسیر کا ماخذ صاحب تبریز کی تشریح ہے جیسا کہ حضرت مولانا بدر عالم نے اس طرف اشارہ کیا ہے۔ اس صورت میں حضرت علامہ کشمیریؒ کی تفسیر کی توضیح یہ ہوگی۔

ہر پیغمبر غایت شفقت امت کی بناء پر یہ تمنا لے کر اٹھتا ہے کہ میری ساری قوم میری دعوتِ اصلاح وہدایت کو قبول کرے، مگر شیطان اس کی اس تمنا کو نا کام بنانے کے لئے قوم کے دلوں میں طرح طرح کی وسوسہ اندازیاں کرتا ہے اور ان کو راہِ ہدایت سے روکنے کے لئے ہر کوشش عمل میں لاتا ہے۔ یہ وسوسے یوں تو سب ہی کے دلوں میں ڈالے جاتے ہیں مگر جن کے دل روگی ہوتے ہیں، سنتِ الٰہی کے مطابق ان کے دلوں میں یہ وسوسے پھولتے پھلتے ہیں اور آخر میں انہیں کافر بنا کر چھوڑ دیتے ہیں۔ اور جن کے دلوں میں قبول حق کی صلاحیت موجود ہوتی ہے اللہ تعالیٰ ان کے دلوں سے ان فتنہ کی جڑوں کو اکھاڑ پھینکتا ہے اور اپنی آیات کی صداقت اور دین کی حقانیت کو ان پر آشکارا کر کے ایمان ویقین کی دولت سے ان کو مالا مال کر دیتا ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ کی اس تفسیر کی بناء پر تمنی کے حقیقی معنی ترک کر کے مجازی معنی مراد لینے کی ضرورت پیش نہیں آتی، نہ آیت کے عموم میں خلل پڑتا ہے اور نہ کوئی ایسی بات مفہوم ہوتی ہے جو عصمت نبی یا عظمت نبوت کے خلاف ہو۔

حضرت مولانا ابوالکلام آزادؔ نے بھی حضرت شاہ صاحبؒ کی رائے سے اتفاق کیا ہے اور قریب قریب وہی بات کہی ہے جو حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمائی۔ ان کا ترجمہ یہ ہے:

''اور اے پیغمبر! ہم نے تجھ سے پہلے جتنے رسول اور جتنے نبی بھیجے سب کے ساتھ یہ معاملہ ضرور پیش آیا کہ جوں ہی انہوں نے اصلاح وسعادت کی آرزو کی، شیطان نے ان کی آرزو میں کوئی نہ کوئی فتنے کی بات ڈال دی اور پھر اللہ نے اس کی وسوسہ اندازیوں کا اثر مٹایا اور اپنی نشانیوں کو اور زیادہ مضبوط کر دیا۔ وہ سب کچھ جاننے والا (اپنے سارے کاموں میں) حکمت والا ہے۔''

واضح رہے کہ ترجمان القرآن حصہ دوم کے مقدمہ میں اس کی تاریخ تکمیل ترتیب، ۱۲/ اپریل ۱۹۳۶ء مندرج اور حضرت شاہ صاحب کی تاریخ وفات اس سے تین سال قبل ۲۹/مئی ۱۹۳۳ء ہے۔

اب حضرت علامہ کشمیری کی دوسری نکتہ سنجی ملاحظہ ہو۔

سورۂ بقرہ میں روزہ کے احکام میں سلسلہ فرمایا گیا ہے:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۸۳﴾ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ؕ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ؕ وَ عَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ ؕ

حضرت شیخ الہندؒ نے یہ ترجمہ فرمایا ہے: اے ایمان والو! فرض کیا گیا تم پر روزہ جیسے فرض کیا گیا تھا تم سے اگلوں پر تاکہ تم پرہیزگار ہو جاؤ، چند روز ہیں گنتی کے۔ پھر جو کوئی تم میں سے بیمار ہو یا مسافر تو اس پر ان کی گنتی ہے اور دنوں سے، اور جن کو طاقت ہے روزہ کی ان کے ذمہ بدلہ ہے ایک فقیر کا کھانا۔''

اس آیت کا آخری ٹکڑا مفسرین کرام میں زیر بحث رہا ہے۔ عام طور پر یہی کہا گیا ہے ابتدائے اسلام میں چوں کہ روزہ رکھنے کی لوگوں کو عادت نہ تھی اور یہ امر ان پر بہت شاق گزرتا تھا۔ اس لئے اس وقت ان کو اجازت دی گئی تھی کہ چاہیں روزہ رکھیں جو بہتر ہے اور چاہیں ایک مسکین کو دو وقت کا کھانا کھلا کر اس کا فدیہ دیدیں۔ پھر یہ حکم جب لوگ روزہ کے عادی ہو گئے، دوسری آیت: شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَ بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَ الْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ؕ الخ سے منسوخ فرما دیا گیا۔ حضرت شیخ الہندؒ نے بھی اسی قول کے مطابق ترجمہ فرمایا ہے۔ اگرچہ آپ نے فوائد میں دوسرے قول کا بھی ذکر کیا ہے مگر اکثر محققین جو نسخ کے دائرہ کو وسیع نہیں کرتے، اس آیت کو منسوخ نہیں مانتے انہوں نے اسے محکم قرار دینے کے لئے مختلف توجیہات فرمائی ہیں۔

(۱) مفسر جلال الدین اور بعض دوسرے مفسرین نے يُطِيْقُوْنَ سے پہلے حرف نفی لا مقدر مانا ہے۔ یعنی جو لوگ روزہ کی طاقت نہیں رکھتے، ان کے ذمہ فدیہ ہے ایک مسکین کا کھانا۔ اور اس کا محمل شیخ فانی وغیرہ کو قرار دیا ہے۔

مگر جیسا کہ حضرت علامہ کشمیریؒ نے فرمایا ''یہ بڑی خطرناک توجیہ ہے۔ اس سے کلام خداوندی سے امان اٹھ جاتا ہے۔ مثبت اور منفی کے درمیان فرق باقی نہیں رہتا۔ ہر باطل کوش کسی بھی حکم میں لا محذوف مان کر حکم کو ختم کر سکتا ہے۔

(۲) بعض دوسرے جلیل القدر مفسرین نے اطاقہ میں باب افعال کی خاصیت سلب ماخذ مانی ہے۔ اس صورت میں لا مقدر ماننے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ چنانچہ التفسیرات الاحمدیہ میں شمس الائمہ کے حوالہ سے نقل کیا گیا ہے: **انَّ قولہ تعالی: یُطیقونہ من الاطاقۃ و الماضی اطاق و الھمزۃ فیہ للسلب** مگر

اس قول میں یہ ضعف ہے کہ خاصیت ابواب سماعی ہیں قیاسی نہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ اپنی مختصر تفسیر فتح الرحمن میں یُطِیْقُوْنَہٗ کی ضمیر کو فدیہ کی طرف راجع کرتے ہیں اور ''فدیہ'' سے صدقۃ الفطر مراد لیتے ہیں۔یعنی جولوگ صدقۃ الفطر ادا کرنے کی طاقت رکھتے ہیں ان پر اس کی ادائیگی واجب ہے۔مگر اس صورت میں اضمار قبل الذکر لازم آتا ہے۔اگرچہ توجیہ لطیف ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ دوسری توجیہہ میں یُطِیْقُوْنَہٗ کی ضمیر آیت سابقہ فَمَنْ کَانَ مِنْکُمْ مَّرِیْضًا الخ کے مفہوم کی طرف راجع فرماتے ہیں اور مراد یہ لیتے ہیں کہ جولوگ حالتِ مرض وسفر کے روزوں کی قضا کرسکتے تھے۔مگر انہوں نے اس کی قضا نہ کی یہاں تک کہ دوسرا رمضان آ گیا۔ان کے ذمہ واجب ہے کہ وہ فدیہ ادا کریں، یہ مذہب امام شافعیؒ کا ہے۔اس صورت میں ایک جملہ مقدر ماننا پڑے گا۔

صاحب ''المنار'' علامہ رشید رضا اپنے استاذ علامہ عبدہ مصری سے ایک اور توجیہ نقل کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں:

اطاقۃ کے معنی ہیں کسی کام کو بمشکل کرسکنا۔اطاقۃ قوت وقدرت کے ادنیٰ درجہ پر استعمال ہوتا ہے۔عرب اَطَاقَ الشَّیْئَ کا استعمال اس صورت میں کرتے ہیں جب کہ اس پر قدرت نہایت ضعیف ہو کہ اس میں مشقت شدیدہ اٹھانی پڑے۔تو اس صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ ''جولوگ روزہ رکھتے ہوئے سخت تکلیف محسوس کرتے ہوں مثلاً شیخ کبیر یا وہ مریض جس کی صحت یابی کی امید باقی نہ رہے تو انہیں اجازت ہے کہ وہ روزہ رکھیں اور اس کے بدلہ میں فدیہ دے دیں۔(علامہ مصری اس ذیل میں کان کے مزدوروں کو جنہیں کوئلہ وغیرہ کھودنا پڑتا ہے اور اسی نوعیت کے دوسرے سخت جسمانی مشقت کے کام کرنے والوں کو شامل کر لیتے ہیں (تفسیر المنار: ج ٢، ص ١٥٦)

یہ قول دراصل صاحب کشاف کے کلام سے ماخوذ ہے جیسا کہ حضرت علامہ کشمیریؒ نے اس کی وضاحت فرمائی ہے۔اور صحیح بخاری میں مجاہد کی جو روایت حضرت ابن عباس کے متعلق ہے کہ کان یقرأ وعلی الذین یطوّقونہ فدیۃ طعام مسکین اور اس کی تشریح یُحَمّلُوْنَہٗ سے کی گئی ہے وہ اس کی موید ہے۔

حضرت العلامہ الاستاذ الامام الکشمیریؒ کی رائے اس سلسلہ میں منفرد ہے۔آپ فرماتے ہیں:

ذھب عامۃ المفسرین إلی أن تلک الآیات نزلت فی شھر رمضان وعندی لامِسَاسَ لھا برمضان وإنما ھی فی الأیام البیض وعاشوراء، فریضۃً قبل رمضانَ ولذا قال ایاماً معدودات فتعبیرہ بالایام ادلّ واَصدَقُ علٰی تلک الایّام من رمضان لما یشھد الذوق الصائب (فَمَنْ کَانَ مِنْکُمْ مَرِیْضاً اَوْ عَلٰی سَفَرٍ فَعِدَّۃٌ مِّنْ اَیَّامٍ اُخَرَ) ای من لم یَصُمْ تلک الْاَیَّام لِمَرَضٍ او سفرٍ فَعَلَیْہِ اَنْ

یقْبضھا فی غیر تلک الایام (وعَلَی الَّذِیْنَ یطیقو نہ فِدْیَۃٌ طَعَامُ مِسْکِیْن) وفی قراء ۃ یُطَوَّقُوْنَہٗ وھذا الحکم ایضاً یتعلق بالایام البیض ولا تعلق لہ برمضان۔ یدُلُّ علیہ ما اخرجہ ابو داؤد فی حدیث احول الصلاۃ والصِّیام عَنْ مَعَاذ۔

پھر فرماتے ہیں:

فھذا نصٌّ فی اَنَّ تِلْکَ الآیاتِ فی حقِّ اَیَّامِ البِیْضِ وَاِنَّمَا افْتَرَضَ صِیَامُ رَمضانَ مِنْ قَوْلِہٖ (شَھْرُ رَمَضَانَ الذّیْ اُنْزِلَ فِیْہِ الْقُراٰنُ (الآیۃ) وَمن ھٰھنا ظَھَرَ وجہ قولہ "کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ" فَاِنَّ تِلْکَ الصِّیَامُ کَانَتْ فِیْ الْاُمَمِ السَّابِقَۃِ اَیْضاً۔ بخلاف رمضان۔ وحینئذٍ لا حاجۃ اِلی التَّاوِیْلِ فِی آیۃ الفداء۔ الخ (فیض الباری: کتاب الصوم: ج:۳، ص:۱۴۵)

حضرت العلامہ الامام الکشمیریؒ کی رائے کا خلاصہ یہ ہے کہ:

ان آیات (یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ) کا تعلق ماہِ رمضان کے روزوں سے نہیں بلکہ ایام بیض اور عاشوراء کے روزوں سے ہے جو ابتدائے اسلام میں فرض تھے۔ ان ہی کے متعلق یہ حکم تھا کہ جو شخص مریض ہو یا مسافر وہ دوسرے دنوں میں ان کی قضا کرے اور یہ بھی اجازت تھی کہ جو روزہ کی طاقت رکھتے ہوں، وہ بھی روزہ نہ رکھیں اور اس کے بدلہ میں فدیہ ادا کریں۔ بعد میں آیات (شَھْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْہِ الْقُرْاٰنُ) اتریں۔ ان سے رمضان کے روزوں کی فرضیت کا حکم ثابت ہوا۔ ایام بیض اور عاشوراء کی فرضیت ختم ہوگئی البتہ اس کا استحباب باقی رہا۔ مریض اور مسافر کا حکم ان آیات میں بھی بتادیا گیا ہے کہ وہ ان روزوں کی قضا دوسرے دنوں میں کرلیا کریں، ان ہی پر شیخ کبیر کو قیاس کیا جائے گا کیوں کہ عذر مشقت دونوں میں مشترک ہے۔ اس لئے اجازت افطار ان کو بھی دی جائے گی۔ مگر چوں کہ ان کا عذر مستقل ہے، اس لئے بجائے قضاء کے فدیہ ادا کرنا کافی ہوگا۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے اپنی اس رائے پر حدیث معاذ سے جو ابوداؤد کے احوال الصلاۃ والصیام میں مذکور ہے، استدلال فرمایا ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ کی اس رائے پر ایاماً معدودات کا اطلاق بھی برمحل ہوجاتا ہے۔ کیوں کہ گنے چنے دن ایام بیض اور عاشوراء ہی کے تھے۔ کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ کی تشبیہ بھی صحیح ہوجاتی ہے، اس لئے کہ امم سابقہ پر ان ہی دنوں کے روزے فرض تھے۔ مریض اور مسافر کے حکم میں تکرار بھی باقی نہیں رہتی۔ کیوں کہ دونوں کے محل مختلف ہیں۔ اور یطیقونہ کی تاویل کی زحمت سے بھی نجات مل جاتی ہے۔ کہ اس کا تعلق ہی صیام رمضان سے نہیں۔ فللہِ دَرُّہٗ۔

قسط (۱)

ذالک الکتاب

فخر المحدثین حضرت مولانا سیّد محمد انظر شاہ کشمیریؒ

تقریباً ۳۵/سال کا عرصہ گذرتا ہے کہ حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ نے مشہورِ عالم ''تفسیر بیضاوی'' پر ''تقریر شاہی'' کے نام سے تفسیری نوٹس سپردِ قلم فرمائے تھے اور یہ قیمتی شہ پارے ''تقریر شاہی بر تفسیر بیضاوی'' کے نام سے زیورِ طبع سے آراستہ ہوکر منظرِ عام پر آئے تھے۔

اہل علم واقف ہیں کہ تفاسیر کے ذخیرے میں تفسیر بیضاوی صعب المنال ہے، اپنے متنوع مضامین، خشک مباحث اور سنگلاخ علوم کی وجہ سے لوہے کے چنے کے ہم مثل قرار دی گئی، حضرت شاہ صاحبؒ کے جاندار، شگفتہ وشستہ اور رواں دواں قلم نے اس کو سرسبز وشاداب چمنستان میں ڈھال دیا، جس میں سیر وچہل قدمی نشاط انگیز وروح پرور ہوتی ہے۔

اس گراں مایہ گنجینہ کو قسط وار قارئین محدثِ عصر کی خدمت میں ادارہ پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے۔ ولذکر اللہ اکبر

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِہٖ لِیَکُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرَا ۝

ترجمہ: حمد وثنا کی ہر صورت اس خدائے منعم ومحسن کے لئے خاص ہے جس نے اپنے کلام (القرآن) کو اپنے ایک مخصوص بندے (محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر نازل فرمایا تاکہ وہ قرآن کل عالم کے لئے (قرآن کو نہ ماننے کی صورت میں خدا کے عذاب وگرفت سے) ڈرانے والا ہو۔

تشریح: اَلْحَمْدُ پر شافی بحث سورۂ فاتحہ کے ذیل میں آتی ہے، نَزَّلَ صیغۂ ماضی فاعل خداوند تعالیٰ مصدر تنزیل باب تفعیل کسی چیز کو تدریجاً اتارنا، جب کہ انزال کے معنی یکبارگی اتار دینا ہیں، تنزیل کے معنی لغۃً یہ بھی ہیں کہ کسی چیز کو اوپر سے نیچے کی طرف حرکت دینا اگر تنزیل کے یہی معنیٰ پیشِ نظر رہیں تو کلامِ الٰہی کے ساتھ تنزیل کا تعلق نہیں ہوسکتا یا کلامِ الٰہی نازل نہیں ہوسکتا۔ یہ اس لئے کہ بقول متکلمین (علمائے اسلام) خدا تعالیٰ کا کلام لفظی ہے یا نفسی، کلامِ نفسی میں تو قطعاً حرکت نہیں نہ اصلاً نہ ضمناً، چونکہ یہ کلامِ خدا تعالیٰ کی ایک صفت ہے جس کا موصوف خود ذاتِ خدا ہے، جب ذات میں حرکت نہیں تو صفت (یعنی کلام) میں کہاں سے حرکت آئے گی اور ضمناً اس وجہ سے نہیں کہ ضمنی اشیاء میں پہلے ان کی اصل میں کوئی چیز ماننا

پڑتی ہے اسی کا اثر ذیلی اشیاء میں نمایاں ہوتا ہے، جس کا حاصل یہ نکلے گا کہ پہلے ذاتِ خدا کو متحرک مانے اور ان کی حرکت کو ضمناً کلام پر مرتب کیجئے، اور جب کہ معلوم ہے کہ ذاتِ خدا متحرک نہیں جو موصوف تھی تو کلام میں کہاں سے حرکت آئے گی درآنحالیکہ یہ صفت ہے، البتہ کلام لفظی میں ضمناً حرکت کا امکان ہے جو جبرئیل کے واسطہ سے ممکن ہے کہ بلا واسطہ حرکت کا وقوع جبرئیل امین پر ہوا۔ اور ان سے کلامِ نفسی میں غرضیکہ نزول کا تعلق خدا تعالیٰ کے کلامِ لفظی ہی سے ہوسکتا ہے۔

نکتہ: سوال یہ ہے کہ قاضی بیضاوی نے انزال کے بجائے اپنے ابتدائیہ میں تنزیل کا لفظ کیوں استعمال کیا؟ جب کہ قرآن مجید میں قرآن ہی کے لئے انزال و تنزیل دونوں استعمال ہوئے ہیں؟ قرآن میں ان دو مختلف مصادر کے استعمال کا نکتہ یہ ہے کہ حضرت حق جل مجدہٗ کسی واقعہ کے اہم اجزاء کے بیان کا اہتمام فرماتے ہیں اور ان اجزاء میں سے کسی کو ایک جگہ نقل کر دیتے ہیں اور کسی کو دوسری جگہ اس لئے ضروری ہے کہ قرآن میں موجود کسی واقعہ کی تمام تفصیلات سامنے رکھی جائیں تا کہ ان سے ایک حقیقت چھن چھنا کر سامنے آجائے۔ یہیں سے مشہور مقولہ ہے کہ ''القرآن یفسّر بعضہ بعضا'' اب دیکھئے کہ قرآن کا انزال بھی ہوا ہے اور تنزیل بھی، لوحِ محفوظ سے آسمانِ دنیا تک انزال ہے اور سمائے دنیا تا آنحضور ﷺ تنزیل ہے، اگر قرآن ان دو میں سے کسی ایک ہی کو اختیار کرتا تو حقیقت کی مکمل ترجمانی نہ ہو پاتی، پھر اسے بھی یاد رکھئے کہ قرآن نے جہاں انزال استعمال کیا ہے وہاں یہی لفظ استعمال ہونا چاہئے تھا تنزیل کا استعمال صحیح نہ ہوتا۔ اور جہاں تنزیل کا لفظ انتخاب کیا وہاں یہی لفظ کارآمد ہے، رہا قاضی صاحب نے جو نزّل کو بمقابل انزل ترجیح دی تو وہ اس لئے کہ وہ قرآن کے نزول کو کائنات کے لئے ایک انعام قرار دے رہے ہیں اور آج کائنات کے ہاتھوں میں نعمتِ عظمیٰ کی حیثیت سے جو قرآن موجود ہے وہ مُنَزَّل ہے نہ کہ مُنْزَل ویسے بھی بندے کے حق میں انعامات کی تدریج خود ایک نعمت ہے اور چونکہ مصنف نعمت ہائے خداوندی کا بیان کر رہا ہے اس لئے قرآن کے بارے میں اسی تعبیر کا انتخاب زیادہ بہتر تھا، جو تدریج کو نمایاں کر دے۔

الْفُرْقَانُ: مصدر علی زنۃ فعلان۔ یہاں مصدر بمعنیٰ اسم فاعل استعمال ہوا ہے یعنی حق و باطل میں تفریق کرنے والا یہ قرآن کا اہم امتیاز ہے کہ وہ کائنات جو حق و باطل کا آمیزہ بنی ہوئی تھی قرآن کے ذریعہ کائناتِ حق و کائناتِ بطلان میں تقسیم ہوگئی۔

عَلٰی عَبْدِہٖ: زمخشری نے لکھا ہے کہ عبد کی اضافت ضمیر کی جانب اضافت للتخصیص ہے، اس لئے ترجمہ یہ ہوگا کہ اپنے ایک مخصوص بندے پر اتارا۔ والمراد منہ محمد ﷺ، گویا کہ نزولِ قرآن بھی نعمت تھا اور نعمت در نعمت بندۂ مخصوص پر اس کا نزول کہ اہل پر اتارا، نا اہل پر نہیں اس لئے کہ نا اہل کو کوئی چیز دیدینا انعام نہیں

ہے نہ وہ نعمت کی خود قدر کر سکے گا نہ کرا سکے گا۔ كَمَا قَالَ اللهُ تَعَالىٰ: مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا[۱]

معناه في الفارسية: چار پائے بر و کتابے چند۔

لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا: یکون کی ضمیر کا مرجع کیا ہے؟ تین قول ہیں اور تحقیق کے بعد دو۔ درست معلوم ہوتے ہیں: ایک غلط (۱) مرجع عبد ہے (۲) فرقان ہے (۳) ضمیر خدا تعالیٰ کی طرف راجع ہے۔ ان اقوال میں سے پہلے دو صحیح ہیں اور آخری قول صحیح نہیں ہے، کیوں کہ اگر خدا تعالیٰ کو نذیر مانا جائے تو نذیر ان کی صفت ہوگی حالانکہ خدا تعالیٰ کی تمام صفات شارع کی جانب سے متعین اور منصوص ہیں اور ان بیان کردہ صفات میں نذیر کا کہیں تذکرہ نہیں اس لئے تیسرا احتمال بسلسلۂ تعیین مرجع پسندیدہ نہیں، اگر مرجع عبد ہے تو نذیر کی اسناد عبد کی جانب حقیقی ہوگی کہ آنحضور ﷺ حقیقۃً نذیر ہیں، خدا تعالیٰ نے آپ کو بشیر و نذیر دونوں قرار دیا ہے۔ اور اگر مرجع قرآن مجید کو بنایا جائے تو اسناد مجازی ہوگی۔ کیوں کہ قرآن کے مضامین ذریعۂ انذار ہیں، مگر خود قرآن زبان نہ رکھنے کی بناء پر منذر نہیں کہا جا سکتا، نیز قرآن اپنے ظاہر کے اعتبار سے ہیبت انگیز بھی نہیں کہ اس کو زبانِ حال کے اعتبار سے منذر کہہ دیا جائے۔ لِيَكُوْنَ میں لام تعلیل و عاقبت دونوں کا بن سکتا ہے۔ علت اور عاقبت میں فرق یہ ہے کہ علت وجوداً فعل سے پہلے ہوتی ہے جب کہ انجام (عاقبت) فعل کے ختم ہونے پر مرتب ہوتا ہے، اگر یہ لام عاقبت کا بنایا جائے تو معنی ہوں گے کہ قرآن پاک انجام کار کے اعتبار سے ڈرانے والا ہے۔

بعض شارحین نے لکھا ہے کہ لام عاقبت پر محمول کرنا درست ترین ہے، حالانکہ راقم الحروف کے خیال میں یہ صحیح نہیں، چونکہ قرآن از ابتداء تا انتہا منذر رہے، نہ کہ خاتمہ کے اعتبار سے، الا یہ کہ آپ کا خیال ہو کہ ابتداء میں قرآن اپنے مخاطبین کی قبولیت و عدم قبولیت کے فیصلہ کا انتظار کرتا ہے اور جب (معاذ اللہ) اسے قبول نہ کیا جائے تو اس کے منذر ہونے کا رخ کھلتا ہے۔ حالانکہ وہ پہلے ہی منذر تھا اور لام کو تعلیلیہ لینے کی صورت میں اشکال یہ ہوگا کہ خدا تعالیٰ کے اَفعال معلّل بالاغراض نہیں ہیں جب کہ لام کو تعلیلیہ لینے پر خدا تعالیٰ کا کام وابستہ غرض نظر آتا ہے۔

تنبیہ: مشہور مقولہ ہے کہ ''دیوانہ بکارِ خویش ہوشیار'' جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دیوانہ بھی اپنے مقاصد کے حصول کے لئے سرگرم رہتا ہے، پھر خدا سے بڑھ کر کوئی عاقل و فرزانہ نہیں ہے تو ان کے افعال سے مقاصد کیسے وابستہ نہ ہوں گے، درآنحالیکہ معلل بالاغراض کا شوشہ چھوڑ کر ایک غیر معقول بات قبول

کرائی جا رہی ہے۔ جواب یہ ہے کہ اس نظریہ کے افرادسرے سے ترتّب مقاصد یا حصول مقاصد کا انکار نہیں کر رہے ہیں بلکہ ان کا مطلب یہ ہے کہ افعال خدا کی خوبی وتکمیل غرض کے پورا ہونے پر موقوف نہیں وہ بجائے خود احسن افعال ہیں، مقصد کی تکمیل انہیں کوئی نئی زیبائی نہیں دیتی جیسا کہ چمن میں موجود حسین وجاذب پھول حسن ورعنائی کا مرکز بنا ہوا ہے، کوئی سونگھے یا نہ سونگھے، اس کی خوبصورتی ودل کشی کسی سونگھنے والے کے وجود پر موقوف نہیں ہے۔ یہ ہے مطلب خدا تعالیٰ کے افعال معلّل بالاغراض ہونے نہ ہونے کا۔

اسی لئے غالباً مفسرین نے لام کو عاقبت پر محمول کرلیا ہے حالانکہ تعلیلیہ بنانے کی صورت میں یہ معنی لئے جاسکتے ہیں کہ نزولِ قرآن صرف انذار کے لئے نہیں ہوا، اگر چہ اس سے مصلحتِ انذار حاصل ہو رہی ہے اور یہ معنی بے غبار ہیں۔

نَذِیۡر: مصدر ہے جیسا کہ نکیر مصدر ہے، مصدر لینے کی صورت میں عبد یا فرقان پر اس کا حمل بطورِ مبالغہ ہوگا جیسا کہ زیدٌ عدلٌ وزیدٌ صدقٌ میں ہے اور اگر اس مصدر نَذِیۡر کو بمعنیٰ اسم فاعل لے لیں تو کوئی الجھن ہی نہیں۔

اشکال: آنحضور ﷺ کو قرآن مجید میں بشیر ونذیر دونوں قرار دیا گیا ہے، پھر قاضی صاحب نے بشیر کے بالمقابل نذیر کو کیوں منتخب کیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ دو چیزیں ہیں: ایک منفعت کا حصول، ایک خود سے مضرت کا دفع۔ دفعِ مضرّت بمقابلِ جلبِ منفعت عاقلانہ کام ہے یا معطل ومفلوج لوگوں کو آمادۂ کار بنانے میں خوش خبریوں کے بالمقابل وعید آمیز لب ولہجہ زیادہ مفید ہے، یہی کچھ وجوہ ہیں کہ مفسّر مرحوم نے بشیر پر نذیر کو ترجیح دی۔

فتحدیٰ باقصر سورۃ من سورہ مصاقع الخطباء من العرب العرباء فلم یجد بہ قدیراً

ترجمہ: پس آپ ﷺ نے دعوتِ مقابلہ دی قرآن کی مختصر سورۃ کے ساتھ عرب کے نامور خطیبوں کو لیکن اس سورت کے مقابلہ میں سورت پیش کرنے پر کسی کو قادر نہیں پایا۔

تشریح تحدیٰ: کا فاعل خدا تعالیٰ بھی ہو سکتے ہیں اور جناب رسول اکرم ﷺ بھی، لیکن دوسرے احتمال پر ایک اشکال ہوگا، وہ یہ کہ **فتحدیٰ** پر فا عاطفہ ہے، تحدّی معطوف اور نزّل معطوف علیہ دستور یہ ہے کہ معطوف اور معطوف علیہ کا فاعل ایک ہوتا ہے تو دونوں فعل یعنی تحدّی اور نزّل کا فاعل نبی اکرم ﷺ ہوں گے۔ حالانکہ نزول قرآن من جانبِ خدا ہے نہ کہ من جانبِ محمد ﷺ۔ اس اشکال کا حل یہ ہے کہ فا کے ذریعہ جن دو جملوں کا عطف ہوتا ہے وہ ایک جملہ کے حکم میں ہوتے ہیں اور اگر ایک جملہ چند افعال پر مشتمل ہو تو ان میں سے ایک کی ضمیر کا مرجع موصول کو بنانا درست ہے۔

تحدّی: باب تفعّل سے ہے، معنی ہیں کسی کو دعوتِ مقابلہ دینا، گویا کہ آنحضور ﷺ نے یا خدا تعالیٰ نے قرآن کے مقابلہ کے لئے منکرین کو اس لب ولہجہ میں چیلنج کیا کہ اگر ان میں تاب مقاومت ہوتی تو بالیقین سامنے آتے، یہ چیلنج ڈھکا چھپا نہیں تھا، نہ کسی فریضہ کی خاموش ادائیگی، بلکہ کھلم کھلا اعلان تھا تاکہ معترضینِ قرآن کو یہ کہنے کا موقعہ باقی نہ رہے کہ اعلانِ مقابلہ عام نہ تھا ورنہ ہم ضرور مقابلہ کرتے، یہی لطائف ونکات ہیں جن کی بناء پر قاضی صاحب نے **فتحدیٰ** کو استعمال کیا۔

سورۃ: کسی کلام کا وہ جز جسے مستقل عنوان دیا جاسکے اور جو کم از کم تین آیات پر مشتمل ہو۔

اقصر: صیغۂ اسم تفضیل ماخوذ من **القصر** رکنا، روکنا، جانا **ومنه القصر** شاہی محل جس میں بغیر اجازت کوئی داخل نہیں ہوسکتا **جمعه القصور** یہاں چھوٹی سی سورت یا مختصر سورت کے معنی میں مستعمل ہوا ہے، ترکیب نحوی کے اعتبار سے یہ پورا جملہ **فتحدیٰ** سے متعلق ہے، مصنف نے **اقصر** کا لفظ قرآن کے ایک بیان کی روشنی میں استعمال کیا ہے چونکہ قرآن نے ایک موقعہ پر ارشاد فرمایا کہ فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّن مِّثْلِهِ ۖ اس آیت میں سورۃ پر تنوین تقلیل کے لئے ہے **من سورہ** کی ضمیر راجع الی القرآن ہے، مصنف اس سے یہ بتانا چاہتا ہے کہ چیلنج قرآن مجید جیسی سورت پیش کرنے کے لئے تھا، نہ کہ دوسری کتبِ سماوی کی سورتوں کے لئے۔

نکتہ: جب منکرینِ قرآن اپنی تمام فصاحت وبلاغت کے باوجود قرآن کی چھوٹی سی سورت کا بھی مقابلہ نہ کرسکے تو ان کے عجز نے قرآن کے کلام اللہ ہونے کو واضح کردیا، ممکن تھا کہ طویل سورتوں کے مقابلہ کے لئے اگر دعوت دی جاتی تو وہ مقابلہ سے عذر کرتے اور سورتوں کی طوالت کو اپنے حق میں بطور عذر استعمال کرتے، مگر جب چھوٹی سورت کا بھی مقابلہ نہ کرسکے تو اب کچھ کہنے سننے کا موقع نہیں رہا۔ مصاقع جمع مصقع مصدر میمی ہے (وہ مصادر جن کے شروع میں میم مفتوح آئے مصدر میمی کہے جاتے ہیں) **صقع الدیك** اپنی آواز سے مرغا غالب آگیا، صبح کے وقت میں جب سب مصروفِ خواب ہوتے ہیں مرغ کی بانگ سب پر غالب رہتی ہے۔

خطباء: جمع خطیب ماخوذ من الخطابۃ تقریر کرنا۔

عرب العرباء: العرباء تاکید کے لئے ہے۔ عربی کا قاعدہ ہے کہ اگر کسی لفظ کی تاکید کرنا چاہتے ہیں تو اسی لفظ سے فعلاء کے وزن پر صفت کا اضافہ کردیا جاتا ہے جیسے لیل لیلاء تاریک ترین رات۔

تشریح: یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ چیلنج جاہل عجمیوں کو دیا گیا تھا، یا زبان وبیان کے داناشناس حلقوں کو اور پھر ان کے سکوت پر خوشی کے نقارے بجادیئے گئے" کہ کوئی مقابلہ کے لئے نہیں آیا" ایسا نہیں بلکہ

چیلنج خالص عربوں کو تھا جو عربی زبان میں طاق، اس کے اسلوب پر ماہر اور اس کی نزاکتوں کے شناسا تھے اور یہی نہیں بلکہ خطیب تھے جنہوں نے اپنی پرجوش خطابت سے عرب کی خطابت کو چار چاند لگا دیئے تھے خطیب کسی زبان کا سب سے بڑا واقف کار ہوتا ہے، پھر یہ معمولی درجہ کے خطیب نہیں تھے بلکہ بڑے نامور اور خطابت کے میدان کے شہسوار تھے، قاضی رحمۃ اللہ علیہ نے ان تمام الفاظ سے یہ تاثر دیا ہے کہ دعوتِ مقابلہ عرب کے مکھن حلقہ کو تھی، مگر وہ بھی مقابلہ سے عاجز رہے۔

فلم یجد به قدیراً: اس میں باء بمعنی علیٰ ہے اور عدمِ وجدان سے عدم وجود مراد ہے اور چونکہ خدا تعالیٰ عالم الغیب والشھادۃ ہیں، تو کسی چیز کا وجود ان کے علم سے باہر نہیں ہوسکتا، اور جب ان کے علم میں نہیں تو موجود نہ ہونے کی دلیل شافی ہے۔ معنیٰ یہ ہوں گے کہ قرآن کے مقابلہ کے لئے خدا تعالیٰ نے کسی کو موجود نہ پایا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چیلنج کیا تو کوئی مقابلہ کے لئے سامنے نہیں آیا۔

اشکال: نشأ من اختیار القدیر علی القادر وھو أن القدیر یدل علی القدرۃ التامۃ فعدم وجدان القدیر لایدل علی انتفاء القادر والجواب انتفت القدرۃ تحت القدیر مطلقاً فالقدیر والقادر کلاھما معدومان ونظیر ھذا "ما انا بظلّام للعبید" النفی غیر متوجه اِلی کثرۃ الظلم بدل النفی وارد علی مطلق الظلم.

تنبیه: رہا یہ اشکال کہ مقابلہ قرآنِ مجید کا کیا گیا تھا، لیکن مقابلہ میں پیش کردہ چیز مسلمانوں کی چیرہ دستیوں کے نتیجہ میں صفحۂ عالم سے اڑا دی گئی قطعاً غلط ہے، چونکہ مخالفینِ قرآن آج تک موجود ہیں، اگر قرآن کے مقابلہ میں کوئی چیز کامیاب پیش کی جاتی تو دشمن حلقہ اسے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے محفوظ رکھتا، قرآن ہی کی طرح آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شخصیت ہے اور خود اسلام ان ہر دو پر نکتہ چینیاں اور ظالمانہ اعتراض آج تک محفوظ ہیں تو صرف قرآن ہی کے مقابلہ میں آئی ہوئی چیز کو کیوں غائب کیا جاتا۔

وافحم من تصدی لمعارضته من فصحاء عدنان وبلغاء قحطان۔

ترجمه: اور خاموش کر دیا عدنان وقحطان کے فصیح وبلیغ لوگوں کو جو قرآن کے مقابلہ کے لئے تیار ہوئے۔

تشریح: افحام من باب افعال خاموش کر دینا۔

تصدی من تفعل: در پے ہونا، تیار ہونا

عدنان و قحطان: دو قبیلوں کے نام جن کی عربی میں طلاقت ومہارت مشہور عالم تھی۔

تنبیه: قاضی بیضاوی نے افحم کے الفاظ استعمال کئے ہیں، جس سے شبہ ہوتا ہے کہ قحطان وعدنان کے ماہر اور زبان داں اپنی معجز وبلیغ عبارت سے قرآنِ مجید کا مقابلہ کر سکتے تھے، لیکن خدا تعالیٰ یا آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نے ان کے مقابلہ کی طاقت کو مفلوج و معطّل کر دیا گویا کہ مقابلہ کی قوت تھی کسی تصرف کے نتیجہ میں وہ توسلب کر لی گئی درآنحالیکہ عقیدہ یہ ہے کہ کسی بھی فرد و بشر میں قرآن کے مقابلہ کی قوت ہی نہیں، یہ مسئلہ درحقیقت اعجازِ قرآن کی ایک شاخ ہے اور قدیم دور سے ماہرین قرآن کے درمیان یہ بحث چلی آئی ہے کہ اعجاز قرآن ہے کیا؟ اس موضوع پر ابوعثمان الجاحظ، ابوعبید اللہ الواسطی، المعتزلی، شیخ عبدالقاہر الجرجانی، الرمانی، الباقلانی، زمخشری وغیرہ نے تصانیف بھی کیں، چونکہ یہ مسئلہ معارف قرآن میں ایک اہم اور بنیادی مسئلہ ہے اس لئے راقم الحروف یہیں پر کچھ تفصیل سپرد قلم کرتا ہے۔

نظام معتزلی نے لکھا ہے کہ اہل عرب میں قرآن کے مقابلہ کی قوت موجود تھی لیکن خدا تعالیٰ نے اپنی قہاریت سے کام لے کر اس قوت کو مفلوج کر دیا، قاضی کے لفظِ الجم سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ نظامِ معتزلی کے ہم خیال ہیں، حالانکہ ایسا نہیں، نظام کی اس رائے کو کسی نے بھی درست قرار نہیں دیا۔ پھر وجوہِ اعجاز کیا ہیں قاضی عیاض مالکی کا خیال ہے کہ وجوہِ اعجاز درج ذیل ہیں:

(۱) قرآن کی حسن ترکیب (۲) کلمات کی نشست و برخاست (۳) کلمات کی فصاحت و بلاغت (۴) اس کا نایاب و بے نظیر اسلوب جو عرب کے مروج اسالیب میں اپنی نظیر نہیں رکھتا (۵) قرآن کی وہ پیش گوئیاں جو حرف بحرف صحیح ثابت ہوئیں (۶) امم سابقہ سے متعلق وہ تفصیلات جو ایک ایسے امی کی زبان سے ادا ہوئیں جس کا نوشت و خواند سے کبھی تعلق نہیں رہا۔ غرضیکہ محقق علماء کی اس موضوع پر مفصل گفتگو کا لب لباب یہی ہے اگر چہ بقول ابن سراقہ یہ بھی قرآن کا ایک اعجاز ہے کہ آج تک اس کی وجوہِ اعجاز مشخص نہیں کئے جا سکے، تفصیل بالا کی روشنی میں آپ سمجھے ہوں گے کہ قاضی بیضاوی نظام معتزلی کے ہمنوا نہیں ہیں اور ان کا لفظ الجم اس مفہوم کی ادائیگی نہیں کرتا جو نظام معتزلی کے پیشِ نظر ہے بلکہ صحیح مطلب یہ ہے کہ قرآن نے اپنے معجز اسلوب اور بے پناہ رعنائیوں سے کسی کو مقابلہ کی قوت ہی نہیں چھوڑی۔

-----------بقیہ صفحہ ۳۷ کا: بس کچھ لوگوں کی دیکھا دیکھی الٹا سیدھا کرتے چلے جا رہے تھے۔

یہی مشرکین مکہ کی صفات، وہی جہالت آج مسلمانوں می بھی ہے اور غیر مسلموں کی بہت ساری صفات ہمارے اندر سرایت کر گئی ہیں۔

ہم میں ایک طبقہ ایسا ہے، جو قرآن نہیں پڑھتا، حدیث بھی نہیں پڑھتا، کتابیں بھی نہیں پڑھتا، بس کچھ پیروں کے دامِ فریب میں آ گیا ہے، کچھ بزرگوں کو پکڑ لیا ہے، وہ بزرگ بھی ویسے ہی جاہل اور اناڑی ہیں، وہ الٹا بولیں کہ سیدھا بولیں، سچ بولیں کہ جھوٹ بولیں، قرآن کے خلاف بھی بولیں تو چلے گا، دین کے خلاف بھی بولیں تو بھی چلے گا، ان کو حق سمجھنا ہی نہیں ہے۔

مشرکوں اور یہودیوں کی صفت

مولانا مفتی شعیب اللہ خان مفتاحی مدظلہٗ
مہتمم جامعہ مسیح العلوم، بنگلور

اَللّٰھُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقاً وَ ارْزُقْنا اتِّباعَہٗ وَ اَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلاً وَ ارْزُقْنا اجْتِنَابَہٗ. (تفسیر ابن کثیر: ۱/۱۷۵)

بعض آثار میں یہ دعا آئی ہے کہ (اے اللہ! ہمیں حق کو حق ہی دکھا اور اس کے اتباع کی توفیق عطا فرما اور باطل کو باطل ہی دکھا اور اس سے بچنے کی توفیق عطا فرما)

یہ ایک جامع ترین دعا ہے، جو حضرت عمر یا ابوبکر صدیقؓ سے مروی ہے، جس میں ایک عظیم الشان مضمون ہے، وہ یہ کہ قرآنِ پاک اور احادیث میں مختلف مقامات پر کچھ ایسے لوگوں کا تذکرہ کیا گیا ہے، جن میں قبولِ حق کی صلاحیت مفقود ہو جاتی ہے اور یہ عام طور پر کفار ہوتے ہیں چناں چہ ارشاد ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۞ (البقرۃ: ۶/۷)

(بلاشبہ وہ لوگ جو کفر کرتے ہیں، اے نبی! آپ ان کو ڈرائیں یا نہ ڈرائیں سب برابر ہے، وہ ایمان لانے والے نہیں ہیں)

اسی طرح اور ایک جگہ فرمایا:

صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ۞

(اندھے ہیں، بہرے ہیں، گونگے ہیں) (البقرۃ: ۱۸)

یہاں اندھوں سے مراد ظاہری اندھے، گونگے سے مراد ظاہری زبان کے گونگے، بہروں سے مراد وہ نہیں ہیں جن کو سنائی نہیں دیتا، بل کہ وہ سنتے بھی ہیں، دیکھتے بھی ہیں اور بولتے بھی ہیں، لیکن اس کے باوجود ان لوگوں کو سننا نہیں چاہتے، زبان ہونے کے باوجود حق بولنا نہیں چاہتے، آنکھیں ہونے کے باوجود حق دیکھنا نہیں چاہتے۔

جیسا کہ اس بات کی وضاحت اللہ تعالیٰ نے ایک اور جگہ کی ہے:

لَهُمْ قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُونَ بِهَا ۖ وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُونَ بِهَا ۖ وَلَهُمْ آذَانٌ لَّا يَسْمَعُونَ بِهَا ۚ

(ان کے پاس دل موجود ہیں؛ لیکن حق کو دیکھنا نہیں چاہتے اور ان کے کان بھی ہیں؛ لیکن حق کو سننا نہیں چاہتے)(الاعراف:۱۷۹)

معلوم ہوا کہ مراد دل کا اندھا ہونا اور دل کا بہرا ہونا، دل کا گونگا ہونا ہے۔ظاہری زبان بولتی ہے، ظاہری آنکھیں دیکھتی ہیں، ظاہری کان سنتے بھی ہیں؛ لیکن وہ اندر والی بات ان میں مفقود ہوتی ہے۔

قرآن میں جگہ نہیں، دسیوں مقامات پر آپ کو اس قسم کے لوگوں کا ذکر ملے گا، جن کے اندر سے قبول حق کی صلاحیت ختم ہو جاتی ہے۔عام طور پر یہ کفار و منافقین ہوتے ہیں۔

دو طبقوں میں دو بیماریاں

اس دعا میں اللہ تعالیٰ سے یہ مانگا گیا ہے: اے اللہ! ہمیں حق، حق ہی دکھا اور اس پر چلنے کی توفیق عطا فرما۔حق کو حق نہ دیکھنا بھی بیماری ہے، حق کو حق دیکھنے کے باوجود قبول نہ کرنا بھی بڑی بیماری ہے، اس دعا میں دونوں باتیں ہیں۔

"اللھم ارنا الحق حقاً"

(اے اللہ! ہمیں حق حق ہی دکھا) اس میں اشارہ ہے کہ حق کو حق دیکھنا اچھا ہے اور حق کو حق نہ سمجھنا دل کی بیماریوں میں سے سب سے بڑی بیماری ہے۔جیسے کافر لوگ حق کو حق نہیں سمجھتے تھے، اللہ کو ایک نہیں سمجھتے تھے، رسول کو رسول نہیں سمجھتے تھے، قرآن کو قرآن نہیں سمجھتے تھے اور اچھے کو اچھا سمجھنے کے بجائے بری حرکتوں کو اچھا سمجھتے تھے، ان کو شرک بہت اچھا لگ رہا ہے، کفر بہت اچھا لگ رہا ہے، کیوں؟ اس لیے کہ دل میں بیماری ہے۔اور وہ حق نہ سمجھنے کی بیماری ہے، اس لیے دعا میں ہے کہ ہمیں حق کو حق ہی دکھا، کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم باطل کو حق سمجھ بیٹھیں۔

عام طور پر مشرکین میں یہ بیماری تھی یعنی حق کو حق ہی نہیں سمجھتے تھے، وہ کفر کو اچھا اور توحید کو غلط سمجھتے تھے۔شرک ان کے نزدیک بہت اچھی عبادت تھی اور توحید ایک معیوب چیز تھی، تالیاں پیٹنا اور الٹی سیدھی حرکتیں ان کے ہاں نماز کا درجہ رکھتی تھیں۔نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ نماز پڑھتے تو اس کا مذاق اڑاتے تھے۔ان لوگوں کی بیماری یہ تھی کہ حق کو حق ہی نہیں سمجھتے تھے، باطل کو باطل ہی نہیں سمجھتے تھے، یہ ان لوگوں کی بیماری تھی۔

دوسری بیماری ہے حق کو حق سمجھنے کے باوجود قبول نہ کرنا۔اسی زمانے میں ایک اور طبقہ بھی تھا، وہ ہے یہود و نصاریٰ کا طبقہ۔یہ وہ طبقہ تھا جو حق کو حق سمجھتا تھا، لیکن قبول نہیں کرتا تھا، ان لوگوں کو معلوم تھا کہ اللہ کے

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آنے والے ہیں، کتابوں میں پڑھتے تھے، درس ہوتا تھا، کتابوں میں لکھا ہوا تھا، توریت وانجیل میں وضاحت موجود تھی، صحائف میں بھی واضح ترین بات موجود تھی، اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں سارا ریکارڈ موجود تھا۔ لیکن سب کچھ ہونے کے باوجود انہوں نے چاہا کہ لوگوں کے سامنے یہ بات نہ آئے اور تحریف کرڈالی اور حق کو حق جاننے اور سمجھنے کے باوجود قبول نہیں کیا۔

الحاصل: دو بیماریاں ہیں: ایک نہ جاننے اور سمجھنے کے باجود قبول نہ کرے کی بیماری۔ یہ دونوں بیماریاں روحانی اعتبار سے بڑی سخت ترین گمراہیاں ہوتی ہیں، اور ہمیں ہمیشہ ان سے پناہ مانگتے رہنا چاہئے، اس لیے کہ اس گمراہی سے بچنے کے لیے ہی یہ دعا سکھائی گئی ہے، بیماری کئی ہے، اس بیماری سے شفا پانے کے لیے دعا ''دوا'' ہے۔

حق کو حق سمجھنے کے باوجود قبول نہ کرنا بڑی گمراہی

جن دو بیماریوں (گمراہیوں) کا ذکر ہوا، ان میں زیادہ خطرناک گمراہی یہود ونصاریٰ کی گمراہی ہے، اسی لیے مشرکین کا حق کی طرف آجانا زیادہ مستبعد نہیں ہوا، زیادہ مشکل نہیں ہوا، برخلاف یہود ونصاریٰ کے، ان کا دین پر آنا بہت مشکل ہو گیا، کیوں؟ اس لیے کہ نہ سمجھنے والا جب سمجھنے لگے گا، تو قبول کر لے گا، مثلاً: ایک آدمی کو معلوم نہیں تھا کہ یہ نجاست ہے، وہ سمجھا کہ کھانا ہے اور ادب سے کھانے کے لیے آکر بیٹھ گیا، اتنے میں آپ تشریف لے آئے اور کہا کہ میاں! کیا کر رہے ہو؟ یہ تو پاخانہ ہے، کھانے کی چیز نہیں ہے! اب اس نے دیکھا اور سمجھ کر اٹھ گیا، جوں ہی سمجھ جائے گا، وہ فوراً توبہ کرے گا اور وہاں سے اٹھ جائے گا کیوں؟ اس لیے کہ اس کے اندر جو بیماری ہے، وہ حق کو حق نہ سمجھنے کی بیماری ہے، جب وہ سمجھنا شروع کرے گا، تو فوراً قبول بھی کرنا شروع کر دے گا۔

اور دوسرا طبقہ یہود ونصاریٰ کا تھا، اس کی بیماری بہت سخت تھی، اس کی گمراہی خطرناک گمراہی تھی یعنی اسے سب معلوم تھا۔ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوصاف معلوم تھے۔ اسے پتہ تھا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آنے والے ہیں، حتیٰ کہ ان کے درمیان انتظار بھی چل رہا تھا، جیسے کہ تاریخ، احادیث وسیرت کی کتابوں میں بہت تفصیل کے ساتھ موجود ہے کہ ان کی مجالس میں اس کے تذکرے اور اس پر تبصرے ہوتے رہتے تھے، یہاں تک کہ ان کے جو بڑے بڑے لوگ گذرے تھے، انہوں نے پیش گوئیاں بھی دی تھیں۔

حضرت سلمان فارسیؓ اور حق کی جستجو

حضرت سلمان فارسیؓ کا واقعہ آپ کو معلوم ہوگا، حضرت سلمان فارسیؓ فارس کے رہنے والے تھے، بڑی عمر پانے والے صحابہ میں ان کا تذکرہ آتا ہے۔ ان کے والد مجوسی تھے، آگ پوجتے تھے اور وہ حضرت

سلمان فارسیؓ کو بڑی ہی سخت ترین پابندیوں کے ساتھ رکھتے تھے کہ کہیں وہ عیسائی راہب یا یہودی عالم کے پاس نہ چلے جائیں اور جا کر عیسائیت یا یہودیت قبول نہ کرلیں۔

اس زمانے میں عیسائی مذہب ہی حق میں تھا، اس لیے کہ حضور ﷺ ابھی آئے نہیں تھے، حضور ﷺ کے آنے سے پہلے وہی مذہب حق تھا، جگہ جگہ یہ پادری لوگ موجود تھے اور ان کی گرجا ئیں (church) تھیں اور ان کے راہب بھی تھے، جن کی خانقاہیں بھی ہوتی تھیں، ان میں کچھ اچھی اچھی باتیں بھی تھیں جو ان لوگوں کو سکھائی اور بتائی جاتی تھیں، اس کے باوجود بہت کچھ جھول و بگاڑ بھی پیدا ہو چکا تھا، لیکن بہرحال مذہب حق کے طور پر اس زمانے میں یہی ایک مذہب تھا۔

ایک مرتبہ حضرت سلمان فارسیؓ کے والد نے ان سے کہا کہ فلاں جگہ ایک کام ہے، تم جاؤ اور وہ کام کر کے جلدی سے آجاؤ، حضرت سلمان فارسیؓ نکلے اور جس کام کے لیے ان کو جانا تھا اس کی طرف چلنے لگے ، راستے میں ان کو نظر آیا کہ کچھ لوگ (church) میں عبادت کر رہے ہیں، ان کو دیکھ کر بہت اچھا لگا، انہوں نے سوچا کہ یہ عبادت کا طریقہ تو اچھا ہے، ہم جو عبادت کرتے ہیں، وہ کیا عبادت ہے کہ آگ سامنے جھکتے ہیں اور آگ کے چکر لگاتے ہیں، کچھ دیر تک وہیں ٹھہرے رہے اور دیکھتے رہے۔ اور اس میں دیر ہو گئی، تو ان کے والد پریشان ہو گئے اور لوگوں کو دوڑایا کہ دیکھو سلمان کہاں ہے؟ کچھ لوگ آئے ، دیکھا تو یہاں ہیں، اب وہاں سے ان کو لے کر گئے، ان کے والد نے ان پر بڑی سختی کی اور کہا کہ تو نے یہ کیا کیا؟ انہوں نے کہا کہ مجھے تو وہ طریقہ اچھا لگ رہا ہے اور ہماری عبادت میں مجھے خامی نظر آ رہی ہے۔ یہ سن کر باپ نے ان کو گھر میں بیڑی ڈال کر قید کر دیا۔ حضرت سلمان فارسیؓ کہتے ہیں کہ میں نے نصاریٰ کے پاس ایک شخص کو بھیج کر معلوم کیا کہ عیسائی دین کا مرکز کہاں ہے؟ انہوں نے بتایا کہ اس کا مرکز ملک شام ہے، کہتے ہیں کہ میں نے ان لوگوں سے کہہ دیا کہ اگر کوئی وہاں سے یہاں آئے، تو مجھے اطلاع دینا۔ چناں چہ تاجروں کا ایک وفد آیا اور ان کو اطلاع ہوئی، تو انہوں نے اپنی بیڑیاں کھول کر وہاں سے راہِ فرار اختیار کی اور ملک شام پہنچ گئے۔ وہاں معلوم کیا کہ یہاں بہترین راہب کون ہے؟ تو لوگوں نے ایک شخص کا پتہ دیا، آپ راہب کے پاس گئے اور عیسائیت قبول کرلی، مگر وہ راہب بڑا برا شخص تھا، جو لوگوں سے فقرا و مساکین کے نام پر پیسے وصول کرتا اور ان کو دینے کے بجائے خود جمع کرتا تھا، جب اس کا انتقال ہو گیا، تو لوگ اس کو دفن کرنے آئے، حضرت سلمان فارسیؓ نے لوگوں سے کہا یہ بہت برا آدمی تھا، لوگوں نے کہا، کیوں؟ فرمایا کہ یہ شخص تم لوگوں کو صدقے کی ترغیب دے کر پیسے وصول کرتا اور غریبوں کے بجائے خود جمع کر لیتا تھا، پھر آپ نے لوگوں کو لے جا کر اس کا جمع کردہ خزانہ دکھایا، یہ دیکھ کر لوگوں نے اس کو دفن

بھی نہیں کیا اور سولی پر لٹکا کر پتھر مارا، اس کی جگہ ایک اور راہب کو لائے، جو بڑا متقی اور نیک اور عبادت گذار تھا، اس نے ان کو اپنی خدمت میں رکھا اور عیسائیت کی تعلیم دی، سلمان فارسیؓ ایک طویل زمانے تک اس کی خدمت میں رہے، جب اس کے انتقال کا وقت آیا، تو اس نے کہا کہ میں تم کو وصیت کرتا ہوں کہ میرے انتقال کے بعد فلاں جگہ پر ایک سچا راہب ہے؛ تم اس کے پاس چلے جانا، کیوں کہ اس علاقے میں کوئی اور اچھا آدمی تمہیں نہیں ملے گا، اس لیے تم وہاں چلے جاؤ۔

حضرت سلمان فارسیؓ نے کہا کہ ٹھیک ہے۔ چند دنوں کے بعد اس راہب کا انتقال ہو گیا، تو کفن دفن کے بعد وہاں سے نکل کر دوسرے راہب کے پاس چلے گئے، جس کا پتہ پہلے راہب نے دیا تھا، وہاں گئے اور جا کر ملاقات کے بعد پوری کیفیت بتائی، تو اس نے بھی ان کو قبول کیا اور اپنے ساتھ رکھ لیا۔ اس کے پاس بھی وہ کئی سال تک رہے، جب اس کے انتقال کا وقت آیا، تو اس نے بھی اسی طرح کی وصیت کی، جس طرح کہ اس سے پہلے راہب نے کی تھی کہ میرے بعد تم فلاں شہر میں فلاں راہب کے پاس چلے جانا، کیوں کہ دینا میں جھوٹے راہب بہت ہیں، وہ سچا راہب ہے۔ جب اس دوسرے راہب کا انتقال ہو گیا، تو بعد دفن کے وہ وہاں سے بھی نکلے اور رختِ سفر باندھا اور تیسرے راہب کے پاس چلے گئے اور اس کے پاس بھی کئی سال تک رہے۔ جب اس کے انتقال کا قت آیا، تو اس نے کہا کہ اس زمانے میں میرے سوا اور کوئی حق پر نہیں تھا، میں آخری راہب ہوں، جو مذہب حق پر قائم تھا، باقی سب لوگوں نے اس دین میں تحریف کر دی ہے، اس لیے اگر تمہیں میرے بعد سچے مذہب پر قائم رہنا ہے، تو میری ایک وصیت ہے کہ آخری زمانے کے پیغمبر محمد ﷺ کا زمانہ کا قریب ہو چکا ہے، لیکن میں یہ نہیں بول سکتا کہ وہ کب حرم کی زمین سے ظاہر ہوں گے اور ہجرت کر کے کھجوروں والی بستی میں آ کر رہیں گے؟ ان کی علامت یہ ہو گی کہ وہ ہدیہ تو لیں گے، مگر صدقہ قبول نہیں کریں گے اور ان کے دوشانوں کے درمیان ''مہر نبوت'' کندہ ہو گی۔ اس لیے اگر تم کھجوروں کی بستی میں جا کر رہو، وہاں وہ پیغمبر جب ظاہر ہو جائیں اور تمہاری ان سے ملاقات ہو جائے تو پھر ان کی خدمت کرنا۔

یہ اس راہب نے ان کو وصیت کی اور اس کے بعد انتقال ہو گیا۔ حضرت سلمانؓ پریشان رہے کہ میں کھجوروں والی بستی کو کہاں تلاش کروں، اس لئے کہ اس نے کھجوروں والی بستی کا نام نہیں بتایا تھا، کیوں کہ پرانی کتابوں میں تو ریت میں، انجیل میں اور دیگر صحائف میں جہاں محمد ﷺ کا ذکر موجود ہے، وہاں یہ لکھا ہوا موجود ہے کہ وہ مکے میں پیدا ہوں گے اور وہاں سے ہجرت کر کے کھجوروں والی بستی میں جائیں گے۔ اب کھجوروں والی بستی کہاں ہے؟ لوگوں سے پوچھتے رہے، لیکن لوگوں سے کچھ پتہ نہیں چلا۔

ایک دفعہ ایسا ہوا کہ کچھ تاجر لوگ ایک جگہ سفر کی تیاری کر رہے تھے، تو سلمان فارسیؓ نے پوچھا کہ تم لوگ کہاں جا رہے ہو؟ تو انہوں نے کہا کہ ہم یثرب جا رہے ہیں کھجوروں والی بستی کی طرف۔ سلمان فارسیؓ نے فوراً کہا: اللہ کا واسطہ مجھے بھی ساتھ لے چلو، جو خرچ میرا ہوگا، وہ میں تم کو ادا کر دوں گا۔ وہ تاجرین انہیں اپنے ساتھ لے جانے پر آمادہ ہو گئے۔ اب یہ قافلہ یہاں سے گیا اور ''مدینہ طیبہ'' جو اس وقت ''یثرب'' کے نام سے مشہور تھا، وہاں ان کو لے جا کر ان لوگوں نے چال بازی یہ کی کہ حضرت سلمان فارسیؓ کو غلام کہہ کر بیچ دیا۔ ان کو خریدنے والا ایک یہودی تھا۔ یہودی نے ان کو خرید کر اپنے باغ میں لے جا کر کام پر لگا دیا، ان کی خدمت یہ تھی کہ درختوں کو پانی ڈالیں اور صفائی کریں، کھجور توڑا کریں۔ حضرت سلمان فارسیؓ اپنا کام کرتے رہے اور انتظار بھی دل میں لگا ہوا تھا کہ وہ پیغمبر کب آئیں گے؟ وہ پیغمبر کب آئیں گے کہ جن کو دیکھنے کے لئے اتنے دور کا سفر کر کے آیا ہوں۔

ایک دن وہ کھجور کے درخت پر چڑھ کر کھجور توڑ رہے تھے کہ اتنے میں ایک آدمی اس یہودی کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ بھائی! کچھ خبر بھی ہے؟ کہا کہ کیا خبر ہے؟ کہا کہ ایک آدمی آیا ہے اور کہتا ہے کہ وہ مکے سے آیا ہے اور اس کا دعویٰ ہے کہ وہ نبی ہے اور لوگ ان کو گھیرے ہوئے ہیں اور سوال و جواب چل رہا ہے۔ بس اتنا کہنا تھا کہ حضرت سلمان فارسیؓ اوپر سے نیچے کو کود پڑے اور اس آدمی سے پوچھنے لگے کہ کیا واقعہ ہوا؟ ان کے مالک یہودی نے انہیں ایک تھپڑ مارا اور کہنے لگا کہ تجھے اس واقعے سے کیا مطلب؟ تو اپنا کام کر۔ حضرت سلمان فارسیؓ نے تھوڑی بہت بات سن ہی لی تھی اور اندازہ تو ان کو ہو گیا تھا۔

جب شام کا وقت ہوا تو موقعہ دیکھ کر حضرت سلمان فارسیؓ کچھ کھجور ہاتھ میں لے کر پوچھتے ہوئے معلوم کرتے ہوئے وہاں پہنچ گئے، جہاں حضرت نبی کریم ﷺ اترے ہوئے تھے، دیکھا تو بہت سے لوگ بیٹھے ہوئے ہیں اور حضرت محمد ﷺ درمیان میں تشریف فرما ہیں۔ سلمان فارسیؓ کہتے ہیں کہ میں اللہ کے نبی کے سامنے گیا اور کھجور لے جا کر سامنے رکھ دیا۔

اللہ کے نبی ﷺ نے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ کہا: آپ کے لئے صدقہ ہے، آپ نے فرمایا کہ اس کو اٹھا لو، ہم صدقہ نہیں کھایا کرتے۔ کہتے ہیں کہ میں کچھ دیر بیٹھا رہا اور باتیں بھی سنتا رہا اور واپس چلا آیا، پھر جب دوسرا دن ہوا، تو پھر پہنچ گیا، محمد ﷺ کی خدمت میں اور آج بھی کچھ کھجور لے گیا تھا، سامنے رکھا۔ آپ ﷺ نے پھر پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ عرض کیا کہ یہ آپ کے لئے ہدیہ لایا ہوں، تو آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں، ہم ہدیہ کھاتے ہیں، یہ کہہ کر حضور ﷺ نے خود بھی کھایا، اوروں کو بھی کھلایا۔

یہ انہوں نے کیوں کیا تھا؟ اس لئے کہ جس پادری نے سلمان فارسیؓ کو آپ ﷺ کے بارے میں

خبر دی تھی، اس نے محمد ﷺ کی کچھ نشانیاں بتائی تھیں کہ آخری پیغمبر جو آئیں گے وہ کچھ نشانیاں بھی اپنے اندر رکھیں گے، ان میں سے ایک نشانی یہ ہوگی کہ وہ صدقہ نہیں کھائیں گے، ہاں ہدیہ کھائیں گے۔ یہ جانچنے کے لئے انہوں نے ایسا کیا تھا۔ اس طرح ان کو تصدیق ہوگئی۔

پادری راہب نے ان کو آخری پیغمبر کی ایک نشانی یہ بھی بتائی تھی کہ ان کی پشت پر ''مہر نبوت'' بھی ہوگی یعنی قدرتی طور پر ''محمد رسول اللہ'' لکھا ہوگا، یہ بھی تم دیکھ لینا، سلمان فارسیؓ کہتے ہیں کہ ''مہر نبوت'' دیکھنے کی نیت سے آپ ﷺ کے پیچھے کی طرف کھسک کھسک کر آگے بڑھا، تو اللہ کے نبی ﷺ نے پہچان لیا کہ میں کیوں آرہا ہوں، اس لئے آپ نے ذرا سی چادر اپنی پشت سے ہٹالی تاکہ میں دیکھ لوں۔ کہتے ہیں کہ میں نے مہر نبوت دیکھ لی اور پھر اس کے بعد اٹھ کر سامنے آگیا اور ایمان قبول کرلیا۔

(اس واقعے کی تفصیلات کے لئے دیکھو: **سیر اعلام النبلاء للذھبی: ۱/۴۵۱۔۴۵۹، تاریخ الاسلام للذھبی: ۱/۹۶۔۱۰۲، تاریخ بغداد: ۱/۱۶۵۔۱۶۹**)

آپ ﷺ کو پہلے مشرکین نے قبول کیا

بہر حال! یہ واقعہ ہوا، میں اس سے یہ بتانا چاہتا تھا کہ اس طریقے پر یہود و نصاریٰ کے درمیان آخری پیغمبر کی آمد کے تبصرے اور تذکرے اور اس کے بارے میں باقاعدہ انتظار اور جستجو، درس و دروس چلا کرتے تھے، یہاں تک کہ مشرکینِ مکہ نے یہود و نصاریٰ سے آخری زمانے کے پیغمبر کے بارے میں جو سن رکھا تھا، اس کی وجہ سے جب اللہ کے نبی ﷺ آئے، تو پہلے مشرکین مکہ نے ایمان قبول کیا، کیوں کہ ان کو اندازہ ہوگیا کہ یہی پیغمبر ہیں، اس لئے جب انہوں نے دیکھا اور سمجھ لیا، تو قبول کرلیا، لیکن یہود و نصاریٰ پیچھے رہے، یعنی اللہ کے نبی ﷺ کی کیفیات اور ان کے حالات اور آپ ﷺ کے نشانات ان سب چیزوں کو جانتے بوجھتے چھپایا اور حق کو قبول نہیں کیا، اس لئے ان کا جرم زیادہ بڑا ہے۔

قرآن نے یہود و نصاریٰ کو اہل کتاب کیوں کہا؟

قرآن کریم میں جگہ جگہ یہود و نصاریٰ کا ذکر ہے، آپ قرآن کو اٹھا کر پڑھیں گے، تو اندازہ ہوگا کہ قرآن کریم مشرکین مکہ کو تو ''امی'' کہتا ہے، اس لئے کہ وہ پڑھتے نہیں تھے اور پڑھنا جانتے نہیں تھے، نہ لکھنا جانتے تھے۔ عرب کی سرزمین پر لکھنے پڑھنے والوں کی تعداد اتنی کم تھی کہ انگلیوں پر گنے جاتے تھے، لیکن یہود و نصاریٰ تو پڑھنے پڑھانے والے تھے، ان کو قرآن کریم ''اہل الکتاب'' کہا ہے، کیوں؟ اس لئے کہ وہ جاننے والے تھے، سمجھنے والے تھے، کتاب والے، پڑھنے والے، لکھنے والے، درس دینے

والے، تحقیق کرنے والے تھے، ایسا بالکل نہیں تھا کہ وہ اللہ کے نبی کو نہ جانتے ہوں، نہ پہچانتے ہوں، بلکہ وہ اچھی طرح جانتے تھے، اسی لئے قرآن میں ایک جگہ ان کے بارے میں فرمایا گیا ہے: "**یعرفونہ کما یعرفون ابنائھم**" (وہ ایسا اللہ کے نبی کو پہچانتے ہیں جیسے کہ وہ لوگ اپنی اولاد کو پہچانتے ہیں) (البقرہ: ۱۴۶)

اولاد کو دیکھ کر کوئی آدمی اشتباہ میں مبتلا نہیں ہوتا کہ یہ میرا بیٹا ہے یا نہیں ہے؟ اسے تو یقینا معلوم ہوگا کہ یہی میرا بیٹا ہے، ہزاروں میں پہچانا جاتا ہے، اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہودیوں کو بھی اسی طرح کی پہچان موجود تھی، لیکن قبولیت کا مادہ ان میں موجود نہیں تھا، اس لئے کہ مفاد نے آکر ان کو روک دیا تھا۔ وہ مفاد کیا تھا؟ وہ یہ کہ انہوں نے سوچا کہ اگر اس بات کو ہم قبول کر لیتے ہیں، تو ہماری سرداری ختم ہو جائے گی، کیوں کہ اللہ کے نبی کو نبی مان لینے کے بعد تو بڑے وہ ہو گئے اور سکہ ان کا چلے گا، دعوت ان کی چلے گی، پیغام ان کا چلے گا اور لوگ ان کی بات قبول کر لیں گے، تو پھر ہماری کیا چلنے والی ہے؟

معلوم ہوا کہ علم تھا ان کے پاس، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت تھی ان کے پاس، پھر بھی اس لئے قبول نہیں کیا کہ مفاد پر زد پڑنے والی تھی، اسی مفاد پرستی کی وجہ سے حق کا انکار کرتے تھے۔ خلاصۂ کلام یہ ہے کہ مذکورہ دو طبقے گمراہ تھے، ایک جاہل، جو نہ جاننے والا طبقہ ہے، دوسرا عالم جو جاننے کے باوجود قبول نہ کرنے والا طبقہ ہے۔

بھائیو! یہ دونوں باتیں سخت گمراہی کی ہیں، سخت ترین بیماریاں ہیں، جن سے بڑی بڑی گمراہیاں پیدا ہوتی ہیں۔ اس لئے ہمیں چاہیے کہ حق کو سمجھنے کی کوشش اور اس کے ساتھ اس کو قبول کرنے کی صلاحیت یہ دونوں چیزیں اپنے اندر پیدا کریں۔

کافروں کی صفت آج ہم میں آ گئی

بعض وقت ایسا بھی ہوتا ہے کہ ہم جیسے لوگوں کے اندر بھی حق کو قبول نہ کرنے کی صفت پیدا ہو جاتی ہے، جیسے بہت ساری غیروں کی صفات مؤمن اختیار کر لیتے ہیں، جس کی مثال یہ حدیث ہے، جس میں آتا ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

من ترک الصلوۃ متعمداً فقد کفر. (جس نے جان بوجھ کر نماز چھوڑ دی اس نے کفر کیا) (مجمع الزوائد: ۱۶۳۴)

اس حدیث میں کفر کا مطلب کافروں جیسی حرکت کرنا ہے یعنی نماز چھوڑنا کافروں کی حرکت ہے، مؤمنوں کی حرکت نہیں، معلوم ہوا کہ تارک نماز ہے تو مسلمان، اسے کوئی کافر تو نہیں کہتا، کوئی بھی امام اس کو کافر نہیں کہتا، کتنی بڑی مخلوق ہے؟ جو نماز نہیں پڑھتی، لیکن ان کو کافر نہیں کہا جاتا، مؤمن ہیں وہ، ان کو کافر

کہنے والے تو معتزلہ ہیں یا خوارج فرقے کے لوگ ہیں، جو کہتے ہیں کہ یہ ایمان سے خارج ہو گئے۔ لیکن اہل سنت کا مسلک یہ ہے کہ نماز نہ پڑھنے سے آدمی مؤمن باقی رہتا ہے، ہاں! گنہ گار ہو جاتا ہے۔

اسی طرح کافروں کی جو حرکت کبھی مسلمان کرنے لگتا ہے، تو اس کے کرنے سے ہم یہ تو نہیں کہیں گے کہ کافر ہو گیا، لیکن کہیں گے کہ یہ کافرانہ حرکت ہے۔

اس کی ایک اور عام فہم مثال دیتا ہوں: جیسے کوئی بچہ یا کوئی بھی آدمی گدھے جیسی حرکت کرنے لگے مثلاً: زور زور سے چیخنے لگے، تو کہتے ہیں کہ کیا تو گدھا ہو گیا؟ یا یہ بھی کہہ دیتے ہیں: ارے گدھے! کیا کر رہا ہے؟ یعنی گدھے والی حرکت کی ہے۔ یہ گدھا تو ہوا نہیں، بلکہ انسان ہی ہے۔

معلوم ہوا کہ یہ حق کو قبول نہ کرنے کی صفت، ہے تو کافروں کی، منافقوں کی، لیکن کبھی کبھی ہم جیسے لوگ بھی اس کو اختیار کر کے وہی حرکت کر لیتے ہیں۔ آج ہم لوگوں کے اندر جہاں بہت ساری بیماریاں ہیں اور بہت ساری قابلِ اشکال باتیں ہیں، وہیں پر یہ دونوں بیماریاں بھی مسلمانوں کے اندر چل رہی ہیں۔

ہم میں مشرکین کی صفت

مشرکینِ مکہ کی جو صفت تھی یعنی لاعلمی اور جہالت کی وجہ سے حق قبول نہ کرنے کی صفت، جس کی وجہ سے قرآن نے انہیں امی کہا کفار مکہ کو اللہ کے نبی ﷺ کے آنے سے پہلے لوگوں نے بہکا رکھا تھا اور اسی بہکاوے میں وہ لوگ چلے جا رہے تھے، عین شرک کو انہوں نے عبادت خدوندی قرار دے دیا تھا، یہاں تک کہ ''کعبۃ اللہ'' جس کو سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے اللہ کا گھر بنایا تھا، اس گھر کو انہوں نے شرک کا اڈا بنا دیا اور اس کے اندر تین سو ساٹھ بت رکھے ہوئے تھے، جس کو اللہ کے نبی ﷺ نے فتح مکہ کے موقع پر نکالا تھا اور کعبۃ اللہ کا طواف کرنے جاتے تھے، تو ننگے ہو کر جایا کرتے تھے، کیوں؟ اس کا جواب ان کے پاس یہ تھا کہ ہم ان کپڑوں کے اندر گناہ کیا کرتے ہیں، تو اللہ کے گھر کا طواف ایسے کپڑوں میں کیسے کریں، جن کپڑوں میں ہم گناہ کر لیتے ہیں، لیکن ان بے وقوف جاہلوں کو اتنی بات سمجھ میں نہیں آئی کہ کپڑوں نے نہیں، بلکہ خود ان لوگوں نے گناہ کیے ہیں، اس میں کپڑوں کا کوئی قصور نہیں ہے۔

اس کی مثال ایسی ہے کہ آپ نے چشمہ لگایا اور ایک لڑکی کو دیکھ لیا، تو اس میں قصور آپ کا ہے یا چشمہ کا؟ آپ نے کہا کہ بھائی! یہ چشمہ بہت برا ہے، اس کو پھینکو (لاحول ولا قوۃ الا باللہ) ''کرے کوئی، بھرے کوئی'' کا قصہ ہے۔

چنانچہ اس طرح انہوں نے دین کو بگاڑا، نہ ان کو کوئی سمجھ تھی، نہ عقل تھی، ---- بقیہ صفحہ ۲۷ پر

سمجھ میں آئے ہمیں کاش، قیمتِ مسلم......!

عزیز بلگامی

ہمارے دینی معاشرے کی کچھ جلتی حقیقتیں ایسی ہیں جن کا اعتراف گو کہ بہت مشکل ہے، لیکن اِن کے اعتراف کے علاوہ ہمارے پاس کوئی چارہ بھی نہیں۔ ہمیں بہر صورت اِن کا بلا لحاظِ تردُّد اعتراف کرنا ہوگا۔ اِن حقیقتوں میں سے ایک اہم حقیقت یہ ہے کہ واقعتاً ہم مسلمانوں کو نہیں معلوم کہ ایک مؤمن یا مسلم کی قدر و قیمت کیا ہوتی ہے۔! ہم تو خیر ایک عام آدمی ہیں، خود مسلمان بھی عام ہی ہوتے ہیں، مگر افسوس صد افسوس کہ ہمارے خواص تک شاید ایک مومن و مسلم کی قدر و قیمت سے واقف نہیں ہیں۔ جمعہ کے بیانات، عیدین کے خطبات اور ہر شہر میں مختلف مواقع پر دیے جانے والے سال میں کم از کم دو سو سے تین سو بیانات اِس حقیقت کے گواہ ہیں۔ ایک سال کے دوران جو بیانات ہمیں سنائے جاتے ہیں، اِن میں سے کسی بھی بیان میں آج تک ہمیں یہ نہیں بتایا گیا کہ آسمانی ہدایت کی ابدی کتاب قرآن شریف ناموسِ مومن و مسلم کے بارے میں کیا کہتی ہے، اور ہمارے آقائے نامدار جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودات میں ایک مومن اور مسلم کی کیا قدر و قیمت متعین کی گئی ہے؟ نہیں بتایا جاتا کہ حرمتِ مومن و مسلم کیا ہے؟ ہاں، شعوری یا غیر شعوری طور پر یہ ضرور بتایا جاتا ہے کہ مسلم کی جان کو کیوں کر اور کس کس طرح سے ستا بنایا جائے۔ جب بھی چاہیں، جیسے بھی چاہیں، جتنے بھی چاہیں، مسلمانوں کو کس طرح اور کیسے زک پہنچائی جائے، یہاں تک کہ بالآخر اُنہیں موت کے گھاٹ اُتار دینے سے تک دریغ نہ کیا جائے، اور محض اِس ایک بنیاد پر کہ فلاں مومن فرد یا گروہ یا فلاں مسلم فرد یا گروہ ہمارے خیال و عقیدے کی رُو سے مومن و مسلم ہے ہی نہیں۔ بالفاظِ دیگر جو ہمارے عقیدہ و مسلک کا نہیں وہ ہمارا نہیں، چاہے وہ ''لا الہ الا اللہ'' کہنے والا ہی کیوں نہ ہو، ہمیں ''سلام'' ہی کیوں نہ کرنے والا ہو، ہماری نمازوں کی طرح وہ نماز ادا کرنے والا ہی کیوں نہ ہو، ہمارے قبلہ کو اپنا قبلہ ہی کیوں نہ مانتا ہو اور ہمارے ذبح کیے ہوئے جانور کا گوشت ہی کیوں نہ کھانے والا ہو۔ مذکورہ خطبات و بیانات کا منشاء صرف یہی ہوتا ہے کہ کسی بھی طریقے سے کسی نہ کسی مسلک و عقیدے سے تعلق رکھنے والے مومن و مسلم کو بے قدر و قیمت کر دیا جائے، اُسے ذلیل و خوار کر دیا جائے، اُس کے خلاف ایسی فضاء بنائی جائے، کہ اگر رفتہ رفتہ کسی مرحلے میں اُس کی جان بھی چلی جاتی ہے تو اس کی پرواہ نہیں ہونی چاہیے۔ اُف!...... یہ ہے ہمارے خواص کا حال۔ جسے دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ کیا یہ وہی

جذباتِ اُخوت واُلفت کا پیامبر دین ہے جسے آقائے نامدار جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دُنیا کے سامنے پیش فرمایا تھا۔؟

کیا ہم میں اِتنی جراُت باقی رہ گئی ہے کہ اپنے خودساختہ نظریات کو چھوڑ کر کم از کم اب تو ہم آسمانی ہدایت کی روشنی میں معلوم کریں کہ وہ ایک انسانی جان کی قدر و قیمت کیا مقرر کرتی ہے؟ اور ایک مؤمن اور مسلم کے جان و مال کی حرمت کیا ہے؟ ہمارے اپنے علاوہ ہم کو کسے مسلم کہنا ہے اور کسے مومن سمجھنا ہے؟ پھر یہ کہ اِس سلسلے میں ہدایتِ الٰہی کے عطا کردہ ''قانونِ حرمتِ اِنسان'' کی خلاف ورزی کی سزا کیا ہے اور یہ سزا کس قدر ہے اور کتنی شدید ہے؟ تو آیئے، کتاب اللہ اور احادیث شریفہ کی روشنی میں حرمتِ مؤمن ومسلم کے بارے میں ان سوالوں کے جوابات تلاش کرنے کی کوشش کرتے ہیں:

(۱)......ہمیں اور ہمارے رہنماؤں کو اتنی فرصت کہاں کہ وہ سرسری طور پر اللہ کی کتاب کو سمجھ کر پڑھنے کی کوشش کرتے۔ اگر اللہ کی توفیق سے اگر وہ سمجھنے کی نیت سے پڑھیں تو صاف سمجھ میں آجائے گا کہ کسی بھی انسان کا ناحق قتل نہ صرف گناہِ کبیرہ ہے، بلکہ یہ اتنا بڑا گناہ ہے کہ جیسے ساری انسانیت کو ہی قتل کر ڈالا جائے۔ ملاحظہ فرمائیں سورۃ المائدہ (۵):

مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ ۚ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًۢا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ

یعنی، ''اِس (دُنیا کے پہلے ہی قتل کے) وقت سے (ہم نے یہ طے کردیا تھا) اور یہی حکم کتابی شکل میں بھی ہم نے بنی اسرائیل کو دے دیا تھا کہ، جو کوئی کسی نفس کو بغیر کسی نفس کے قتل کردے، یا زمین میں فساد مچائے، تو گویا اُس نے تمام انسانوں کا قتل کردیا، اور جس نے کسی ایک نفس کی جان بچائی، گویا اُس نے تمام انسانوں کو زندگی بخش دی......'' (۳۲)۔

پھر مؤمن یا مسلم کون ہے، اور کسی مومن اور مسلم کے قتل کی کیا سزا ہے، سورۂ النساء (۴) میں ان الفاظ میں صاف صاف بیان کیا گیا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوْا وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا ۚ

''اے ایمان کے دعویدار لوگو! جب تم اللہ کی راہ میں جنگی سفر کرو، تو تحقیق کرلیا کرو، اور جس شخص نے تمہیں سلام کیا، تم اُس کے لئے ہرگز یہ مت کہنا کہ تو مومن نہیں ہے......'' (۹۴)۔

وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَ

اَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا ﴿٩٣﴾

''اور جو کوئی بھی کسی مومن کا جان بوجھ کرارادتاً قتل کر دے، تو اُس کی سزا جہنم ہی ہو سکتی ہے۔ وہ جہنم میں ہمیشہ ہمیشہ رہے گا۔ غضبناک ہوا اللہ اُس پر، اور لعنت کی اُس پر، اور اللہ نے اُس کے لئے بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے۔'' (۹۳)۔

(۲)...... یہ وہ آیات ہیں جن کا ذکر نہ کسی دینی محفل میں ہوتا ہے، نہ کسی ''دینی اسکالر'' کی زبان سے اِن آیتوں کے حوالے سننے کو ملتے ہیں۔ یوں محسوس ہوتا ہے جیسے جان بوجھ کر اِن آیات کو معاذ اللہ Black Out کیا جا رہا ہے، تا کہ دینی شہ زوری اور مذہبی ٹھیکیداری میں کوئی کمزوری واقع نہ ہونے پائے۔ یہی سبب ہے کہ آج قرآن اور حدیث کے پیش کردہ دین کے بالکل متوازی طور پر ایک اور ہی دین مسلمانوں میں رواج پا گیا ہے۔ اور اس متوازی دین کو قرآنی حکم یا اُسوۂ رسولؐ سے وابستہ کرنے کی کوشش بھی جاری رہتی ہے۔

نہ جانے کتنی بار یہ آیتیں ہماری نظروں سے گزرتی ہیں اور نہ جانے کتنی مرتبہ اِس کی ہم تلاوت کرتے رہتے ہیں، پھر بھی خود اہلِ ایمان کے افراد یا گروہوں کے بارے میں تواتر کے ساتھ کفر کا حکم لگانے کا عمل جاری رہتا ہے کہ فلاں مومن نہیں، یا فلاں شخص مسلمانوں کے حلقے سے خارج ہو گیا، وغیرہ وغیرہ۔ مگر قرآن ہم سے باصرار کہتا ہے کہ اگر کوئی تمہارے لیے زبانی طور پر ''سلام'' کا لفظ ہی ادا کر دے، تو یہی لفظ اُس کے مومن ہونے کی دلیل بن جاتا ہے۔ اُسے غیر مومن کہنے کا اِختیار باقی نہیں رہتا۔ اور اِس پر مستزاد یہ کہ، یہ حکم بھی جنگ جیسے غیر معمولی حالات کے لئے دیا گیا ہے تو نارمل حالات کی تو بات ہی کیا ہے۔!!!

۳)...... ذخیرۂ احادیث میں بھی کئی مثالیں ہمیں ایسی ملتی ہیں، جنہیں دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ اِن کے تذکرے دینی محفلوں میں کیوں مفقود ہیں اور مزاجِ مصطفوی ؐ سے الگ مزاج ہمارا یہ کیسے بن گیا!! مثلاً یہ حدیث ہماری آنکھیں کھول دینے کے لیے کافی ہے:

''...أُسَامَه بِنْ زيد قَالَ بَعَثَنَارَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّم اِلَى الْحُرُقَاتِ فَاَدْرَكْنَا رَجُلاً فَلَمَّا غَشَّيْنٰهُ قَالَ لَااِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ فَضَرَبْنٰهُ حَتّٰى قَتَلْنٰهُ فَذَكَرْتُهَا لِلنَّبِىْ صَلَى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّم فَقَالَ مَنْ لَكَ بِلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؟فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّمَا قَالَهَا مَخَافَةَ السِّلَاحِ ،قَالَ اَفَلَا شَقَقْتَ عَنْ قَلْبِهٖ حَتّٰى تَعْلَمَ مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ قَالَهَا اَمْ لَا۔مَنْ لَكَ بِلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَمَا زَالَ يَقُوْلُهَا حَتّٰى وَددْتُ اَ نِّىْ لَمْ اَسْلَمْ اِلَّا يَوْمَئِذٍ...''۔(ابو داؤد جلد اول ۔كِتَابُ الْجِهَادِ ۔ بَابُ عَلٰى مَا يُقَاتِلُ الْمُشْرِكُونْ ۔ بخاری اور مسلم میں بھی یہ روایت موجود ہے۔)۔

'''...... اسامہ بن زیدؓ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے رسولؐ نے ''حرقات'' کی طرف ہمارا لشکر بنا کر

بھیجا۔ ہماری مہم کے ایک مرحلے میں ہم نے ایک آدمی کو پایا۔ ہم جب اُس پر (حملہ آور ہوئے اور) چڑھ بیٹھے تو اُس نے کہا: ''لا الہ الا اللہ''۔ پھر بھی ہم نے اُسے قتل کر دیا۔ اپنی مہم سے واپسی پر نبی صلی اللہ علیہ و سلم سے میں نے اِس کا تذکرہ کیا، تو آپؐ نے ارشاد فرمایا: ''قیامت کے دن اسکے ''لا الہ الا اللہ'' کے مقابلہ میں تمہیں بچانے والا کون ہوگا؟ میں نے کہا: ''یارسول اللہ، اُس نے تو کلمہ طیبہ ہتھیار کے ڈر سے ادا کیا تھا۔ آپؐ نے فرمایا: تم نے اُس کا دل چیر کر کیوں نہیں دیکھ لیا کہ تمہیں معلوم ہو جاتا کہ اُس نے ہتھیار سے ڈر کر کہا ہے یا کسی اور وجہ سے۔! ''لا الہ الا اللہ'' کے مقابلہ میں قیامت کے دن تمہارا کون ہوگا؟ آپؐ برابر (اِن الفاظ کو) دہراتے رہے......'' (ایک اور روایت میں یہ بھی آتا ہے کہ اس نے سلام کیا تھا)۔ یہ حدیث تو دراصل اُس طرزِ فکر پر ہی تیشہ چلاتی ہے، جو اہلِ ایمان کے دلوں میں دراڑیں پیدا کرنے کی موجب بنتی رہتی ہے اور ہمارے دلوں میں کجی پیدا کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتی۔ آج دھڑا دھڑ ہر کس و ناکس پر کفر کے فتوؤں کی بارش ہوتی ہے، اور کچھ لوگ خود ساختہ طور پر صرف اپنے آپ کو اللہ کی بارگاہ میں ناجی ہونے کی سرٹیفکٹ پر خود ہی دستخط ثبت کرتے رہتے ہیں۔

۴)......اسی طرح درج ذیل حدیث تو فکر و خیال کے اُن قلعوں کو ڈھا دیتی ہے، جن میں کچھ ''خود ساختہ جنتی لوگوں'' نے اپنے آپ کو محصور کر رکھا ہے:

''... عَنْ اَنَسِ ابْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّم مَنْ صَلّٰى صَلٰوتَنَا وَاسْتَقْبَلَ قِبْلَتَنَا وَاَ كَلَ ذَبِيْحَتَنَا فَذَالِكَ الْمُسْلِمُ الَّذِىْ لَهٗ ذِمَّةُ اللّٰهِ وَذِمَّةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّم فَلَا تُخْفِرُ اللّٰهَ فِىْ ذِمَّتِهٖ ...''(رواه البخارى ۔ كتاب الصلوٰة ۔ باب فضل استقبال القبلة)۔

''......حضرت انس بن مالکؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جو شخص ہم جیسی نماز ادا کرے، ہمارے قبلہ کو اپنا قبلہ مانے، ہمارے ذبح کئے ہوئے جانور کا گوشت کھائے، وہ مسلمان ہے، اللہ اور اُس کے رسولؐ کی امان میں ہے۔ لہٰذا جو اللہ اور اسکے رسولؐ کی امان میں ہے اس پر دست درازی نہ کرنا۔'' کیا اِتنے صاف اور واضح الفاظ کے بعد بھی ہم کبھی کسی پر کفر و ضلالت کا فتویٰ صادر کر سکتے ہیں؟......

(۵)......اِس حدیث میں تو اور بھی خوفناک نتیجے کی دھمکی موجود ہے:

''... عَنْ اَبِىْ بَكْرَةَ ؓ قَا لَ اِ نِّىْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّم يَقُوْلُ اِذَا تَوَاجَهَ الْمُسْلِمَانِ بِسَيْفَيْهِمَا فَالْقَاتِلُ وَالْمَقْتُوْلُ فِى النَّارِ۔ قَالَ فَقُلْتُ اَوْ قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هٰذَ الْقَاتِلُ فَمَا بَالُ الْمَقْتُوْلِ؟قَالَ اِنَّهٗ قَدْ اَرَادَ قَتْلَ صَاحِبِهٖ...''(مسلم شريف۔كتاب

الفتن واشراط الساعة)۔

''حضرت ابوبکرۃ ؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: 'جب دو مسلمان ایک دوسرے پر تلوار سونت کر آمنے سامنے آجائیں، تو قاتل بھی جہنمی ہے اور مقتول بھی۔ پوچھا گیا کہ یارسول اللہ ؐ! قاتل کا جہنم رسید ہونا تو سمجھ میں آتا ہے، مگر مقتول بھی......!!! آپؐ نے اِرشاد فرمایا: ''وہ بھی تو اپنے مسلمان ساتھی پر تلوار سونت کر سامنے آگیا تھا۔ اگر اس کا وار کام کر جاتا تو وہ بھی یقینا قاتل بن جاتا۔''

قرآن شریف اور احادیثِ شریفہ کے مندرجہ بالا حوالوں کے بعد بھی کیا ہمارے ادارے، ہماری مذہبی و مسلکی اکائیاں ایک معتدل دینی فکر کو ابھرنے کا موقع نہیں فراہم کریں گی؟ شاید نہیں۔ منبر اور محراب سے رات دن اپنے مخالفین کے خلاف کفر و ضلالت کے فتوؤں کا بازار گرم رکھنے والے، دینی تعلیم کے نام پر اپنے مسلکی فرقہ وارانہ نظریات کی صف بندی کے علمبردار، کیا فکر معتدل کو اُبھرنے کا موقع بھی دیں گے؟ ظاہر ہے، اِس کے آثار دور دور تک نظر نہیں آتے۔ کیوں کہ فروعاتِ دینی پر اصرار اس قدر بڑھ گیا ہے کہ ہر فرقے نے اپنے لیے الگ الگ وضع قطع کا لباس اِختیار کر رکھا ہے، یہاں تک کی ٹوپیوں کی بناوٹ اور داڑھی کی تراش خراش تک پکار پکار کہتی ہے کہ کون کس مسلکی فرقہ سے تعلق رکھتا ہے، اور کس فرقے کی دشمنی کس فرقہ کے ساتھ کس قدر شدت کی حامل ہے۔!! ٹھیک ہے، یہ سب کچھ ضرور چلایا جاسکتا ہے، ٹوپی اور داڑھی جیسے محترم اُمور پر کسی کو اعتراض کی جرأت کیسے ہوسکتی ہے، لیکن سوال اپنی جگہ پر جوں کا توں ہے کہ ایسا کیوں ہے، کہ ہماری یہ مسلکی اکائیاں ایک دوسرے کے خلاف یہ محاذ آرائیاں برپا کرتی رہتی ہیں؟ کیا رات دن جاری یہ ساری سرگرمیاں دینی محنت سے زیادہ، صرف اور صرف فرقہ واریت کو ہی بڑھاوا دینے کی محنتیں نہیں ہیں؟ جو آج ایک بنیان مرسوس قوم میں اختلافات کی دراڑیں اُبھارنے میں کامیاب ہوگئی ہیں، جن کے اثرات قدم قدم پر نظر آتے ہیں۔ جو کچھ انجام آج ہمیں دیکھنے کو مل رہا ہے اور قوم کے دل جو آج پھٹے نظر آتے ہیں، تو اِس کا سبب وہ موضوعات ہیں جو ہر ہفتے اور ہر مذہبی تقریب کے موقع پر ایک ڈوز کی شکل میں لوگوں کو عموماً اور نوجوانوں کے خون کو خصوصاً گرماتے رہتے ہیں۔

خواص کی روش ہائے غفلت کے درمیان، اِس صورتحال کا تدارک کیسے ہو؟ قرآن شریف کے مذکورہ احکامات کو کیسے عام کیا جائے، بلکہ خود قرآن شریف ہی کو کیسے عام کیا جائے؟ مذکورہ حدیثوں پر جو پردے ڈالے جاچکے ہیں اُنہیں کیسے اُٹھایا جائے؟ اور کیسے عوام تک اِن حدیثوں کی ترسیل ہو؟ شاید اب عوام کو ہی اس کام کے لئے اُٹھنا ہوگا۔ ورنہ شاید یہ قوم خواص کی جانب سے مسلسل بھڑکائی جانے والی آپسی چپقلشوں کی اِس جنگ میں خود اپنے ہی بھائیوں کے قتل کی مرتکب ہو کر تاریخ کا ایک حصہ بن جائے گی......اور اللہ

کسی اور قوم کو دینِ حق کا علمبردار بنا کر کھڑا کر دے گا! ہمیں معلوم ہونا چاہئے کہ اس میں نہ امریکہ کی سازش کا ہاتھ ہے اور نہ اِن اِختلافات میں کوئی افریقہ قسم کا کوئی ملک شامل ہے۔ اِس سازش کے تانے بانے اُن ہی خواص کی اُنگلیوں نے بُنے ہیں، جو دین کے نام پر فرقہ واریت کو بڑھاوا دینے میں مصروف ہیں، جیسے وہ کسی تعمیری کام کرنے کی صلاحیت سے ہی محروم کر دئے گئے ہوں اور جیسے وہ سمجھتے ہوں کہ اگر وہ یہ کام انجام نہ دیں تو بڑے پیمانے پر قوم میں بے روزگاری کے پھیلنے کا اندیشہ پیدا ہو جائے گا۔

غیر مسلموں میں بھی، جیسا کہ ہندوؤں میں ہم کئی فرقے دیکھتے ہیں، اور یہ بھی کہ ہر فرقے کے الگ الگ منادر ہیں۔ کبھی ہم نے نہیں سنا کہ ایک فرقہ والا ہندو دوسرے فرقے کے مندر کو جلاتا ہو، جس کے ساتھ اُن کی مقدس کتاب بھی جل جاتی ہو۔ عیسائیوں میں بھی مختلف فرقوں کی موجودگی ہے اور ہر فرقے کے علیحدہ چرچ بھی ہیں۔ ان کے تعلق سے بھی نہیں سنا جاتا کہ کبھی کسی فرقے نے کسی دوسرے کے چرچ کو نذرِ آتش کیا ہو۔ ذرا ہماری قوم کے اُن نادانوں سے ایک سوال پوچھا جائے کہ جب وہ اپنے مخالف فرقے کی مسجد کو جلانے کا پلان بناتے ہیں، تو کیا وہ جلانے سے پہلے وہاں سے قرآن شریف کے نسخوں کو احتیاطاً باہر نکالنے کا انتظام بھی کرتے ہیں؟ یا انہیں بھی جلا ڈالتے ہیں؟ شاید اِس سوال کے جواب کے لیے ''مملکتِ خداداد'' کا سفر کرنا پڑے گا، اس لئے کہ اسے اس دعویٰ کے ساتھ عالمِ وجود میں لایا گیا تھا کہ یہ برصغیر میں اسلام کا قلعہ ہوگا:

کس منہ سے جاؤ گے غالبؔ شرم تم کو مگر نہیں آتی

دورِ حاضر میں انسانی خون کی یہ ارزانی، ایک شخص کے قتل کے لئے سینکڑوں بے گناہوں کو بے دردی سے مار دیا جانا، سرکاری اور نجی املاک کی تباہی، بے قابو عوام کی شورش، نو جوان خون کو جوش دلانے کے یہ رات دن کے ڈوز، شاید اب ہماری مکمل تباہی کا پیغام لے کے آئے ہیں اور بالآخر ہمیں ایک خونی Disaster سے ہی دوچار کر کے دم لیں گے۔

اب خود سے یہ سوال کرنا ہوگا کہ اگر کوئی اپنے آپ کو ''مسلم اور مومن'' سمجھے اور کبھی ہمیں سلام کا نذرانہ پیش کرے تو کیا ہم میں یہ جرأت ہوگی کہ اِس کے ''سلام'' کا خیر مقدم اور احترام کے ساتھ جواب دیا جائے......؟ کیا اب بھی ہم کو یہ استحقاق حاصل رہے گا کہ اپنے خود ساختہ خیالات کی بنیاد پر سلام کرنے والے کو ''مسلم اور مومن'' نہ ماننے کے جرم کو جاری رکھیں......؟ کیا ہم اب بھی چاہیں گے کہ اللہ اور اُس کے رسول کی حرمت شدہ چیزوں سے آگے بڑھ کر ہر کس و ناکس پر کفر کا لیبل لگاتے پھریں؟

آخر ہم نے ایک سائنٹفک اور باکمال دین کا یہ کیا حال بنا رکھا ہے؟

☆☆☆☆☆

آہ! شیخ عبدالحق الاعظمیؒ

مولانا فضیل احمد ناصری
استاذ حدیث جامعہ امام محمد انور شاہ دیوبند

حادثۂ فاجعہ

لیجئے! استاذ نا المکرم شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق اعظمی رحمہ اللہ بھی خوابِ راحت کے مزے لینے کے لیے ''گورستانِ قاسمی'' پہونچ گئے، شہرِ خموشاں کے محدثین میں ایک اور اضافہ، عاشقینِ رسول کی فہرست میں ایک اور فدائی کی شمولیت، **تغمده الله بغفرانه**۔

استاذ محترم کے انتقال سے طبیعت پر اب تک اثر ہے، صدمے سے چور ہوں، خبر سن کر رات ہی میں زیارت کرلی تھی، جسدِ خاکی وہیں رکھا تھا، جہاں انہوں نے عرصۂ دراز تک قال اللہ اور قال الرسول کے زمزمے بلند کیے تھے، یہی درس گاہ ہمارے دور میں دارالحدیث تھی، اب دارالحدیث کا کام جامعِ رشید کے تحتانی حصے سے لیا جارہا ہے اور ہمارے عہد کا دارالحدیث عربی ہفتم ثانیہ کی درس گاہ بن چکا ہے۔

۳۱/ویں دسمبر ۲۰۱۶ء کی صبح میرے ایک عزیز میرے گھر آ گئے اور کہنے لگے کہ چلیے زیارت کر لیتے ہیں، میں نے ان کے ہمراہ ایک بار پھر زیارت کی، جنازہ قدیم دارالحدیث کے بالکل کنارے فوارے کے قریب رکھا ہوا تھا، غسل اور لوازمات سے فراغت ہو چکی تھی، شیخ ثانی کو کفن میں دیکھ کر دل سے آہِ سرد نکلی اور کوششِ ضبط کے باوجود آنسو چھلک پڑے، سفید کپڑا حضور علیہ السلام کو بہت پسند تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا کرتے: کفنوا فیھا موتاکم: اپنے مرحومین کو سفید کپڑے پہنایا کرو! اکثر علما سفید کپڑے ہی کو ترجیح دیتے ہیں، میں کہا کرتا ہوں کہ وارثینِ انبیا مرنے کے بعد تو سفید کپڑے پہنیں گے ہی، یہ سرمستانِ اسلام اپنی حیات میں بھی سفید ہی کو پسند کرتے ہیں، گویا مرنے کے لیے ہر وقت تیار، ہر آن سر بہ کفن۔ سفید کفن میں شیخ صاحب کے چہرے کا نور مزید نمایاں تھا، معلوم ہو رہا تھا کہ ایک تھکا ہارا مسافر گہری نیند سو رہا ہے۔ ان کے خاموش لب، خوابیدہ آنکھوں، ساکن ہاتھوں اور غیر متحرک پیروں کو دیکھا تو دیکھا نہ گیا، ان کی تقریر کی

گھن گرج، ان کے دروس کی صدائیں، دارالحدیث کی طرف خراماں خراماں بڑھنا ایک دم تازہ آ گیا۔ ماضی کی پوری فلم تیزی کے ساتھ چل گئی۔

سببِ وفات

زیارت کر کے چھتہ مسجد کی طرف بڑھا تو مرحوم کے صاحبزادے عبدالمنعم پر نظر پڑ گئی، اس کو تعزیتِ مسنونہ پیش کی، اس کا چہرہ اترا ہوا مرجھا ہوا تھا۔ وہی کیا، دیوبند کی روش روش افسردہ و پژمردہ تھی، در و دیوار اور گلیاں گریہ کناں اور محوِ فغاں۔ میں نے اس سے پرسشِ احوال کی اور سببِ موت پر استفسار کیا تو کچھ رکا، پھر بولا: حضرت کل ہی سفر سے آئے تھے، بلڈ پریشر کے مریض تو پہلے ہی سے تھے، تاہم طبیعت معتدل تھی۔ شام کے وقت اچانک انہوں نے متلی ثقلِ طبع کی شکایت کی، انہیں فوراً ہسپتال لے جایا گیا، اکسرے وکسرے ہوا تو ڈاکٹروں نے سکون کا سانس لیا کہ الحمدللہ سب ٹھیک ہے، پھر چند ہی لمحوں میں بتایا کہ طائرِ روح پرواز کر گئی ہے، دراصل یہ اٹیک تھا اور اسی اٹیک میں انہوں نے دارِ فانی کو خیر باد کہا۔ وفات کی خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔

شیخ کی اولاد

اس نے بتایا کہ مرحوم کی تین بیویوں سے آٹھ بیٹے اور سات بیٹیاں ہوئیں۔ پہلے بطن سے ایک بیٹے عبدالحکیم اور دو بیٹیاں۔ عبدالحکیم صاحب ممبئی میں رہتے ہیں، وہ نہ آ سکے۔ دوسرے سے بھی ایک بیٹا اور دو بیٹیاں، یہ بیٹا بچپن ہی میں اللہ کو پیارا ہو گیا، تیسرے سے چھ فرزند اور تین صاحبزادیاں، ان میں سب سے بڑے مولانا عبدالبر صاحب ہیں۔ وفات کے وقت صرف عبدالمنعم تھا اور کوئی نہیں تھا، بقیہ بھائی نماز سے کچھ دیر پہلے پہونچے۔

زخم وہ مجھ کو لگا ہے کہ دکھائے نہ بنے

ان کا سانحہ ان کے تلامذہ اور متوسلین کے لیے تو دھچکا ہے ہی، بہ طور خاص میرے لیے تو بڑا جھٹکا ہے، وہ میرے والد مولانا جمیل احمد ناصری مرحوم کے بے تکلف دوست تھے، شیخ کے والد ثانی حضرت مولانا مسلم صاحب میرے والد پر بڑے مہربان اور مخدوم تھے، والدِ مرحوم ان کے خادمِ خاص بلکہ اخص الخواص۔ مدرسہ امدادیہ دربھنگہ کے بانی حضرت مولانا شاہ منور علی دربھنگوی (خلیفہ ومجاز سید الطائفہ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی) میرے والد کے پردادا تھے، اس نسبت سے بھی ان پر بے حد شفیق اور کرم گستر۔ شیخ صاحب اور والد مرحوم نے دارالعلوم مئو میں ایک ساتھ کئی سال گزارے ہیں، میرے سب سے چھوٹے چچا

حضرت مولانا حسین احمد ناصری مدظلہ (سابق استاذ و مؤذن دارالعلوم مئو و حال امام عیدگاہ شکر پور بھروارہ، دربھنگہ) شیخ کے شاگرد ہیں، میرے برادر بزرگ مولانا طفیل احمد ناصری کے سر پر دستارِ فضیلت انہوں نے ہی باندھی تھی، بعدِ زمانہ اور عدمِ رابطہ کے باوجود والد مرحوم اور شیخ صاحب کے دل میں ایک دوسرے کی یاد رچی بسی تھی، مدرسہ اسلامیہ شکر پور بھروارہ کے نصاب کی تکمیل کے بعد جب میں دارالعلوم آنے لگا تو والدِ مرحوم نے ان کے نام ایک خط دیا، جس میں ماضیِ مرحوم کی یادوں کے ساتھ داخلے سے متعلق سفارش کی درخواست بھی تھی، ملاقات کے لیے گھر پہونچا تو معلوم ہوا کہ حضرت سفر پر ہیں، امتحان ہو چکا تھا اور نتیجہ بھی آج کل میں نکلنے والا تھا، ملاقات کو پھر پہونچا تو دیکھا حضرت تشریف فرما ہیں اور ملاقاتیوں کا ہجوم ان کا احاطہ کئے ہوئے۔ خط دیا، جوں ہی پڑھا، کہنے لگے: اچھا!! جمیل کے بیٹے ہو؟ پوچھا کہ امتحان کیسا گیا؟ میں نے کہا: ماشاءاللہ اچھا لکھا ہے۔ فرمایا: پھر تو گھبرانے کی کوئی بات نہیں، تمہارا داخلہ بے سفارش ہی ہو جائے گا۔ چناں چہ نام آ گیا اور حضرت کو خوش خبری دی تو بہت مسرور ہوئے اور فرمایا: محنت سے پڑھنا اور ملاقات کرتے رہنا! ملاقات اور استفادہ جاری رہا۔

۱۹۹۸ کے اواخر میں میری فراغت ہوئی تو ملاقاتوں اور روابط کا تسلسل ایک دم ٹوٹ ہی گیا۔ ۲۰۰۸ میں بصیغۂ مدرسی جب دیوبند پہونچا تو بہت دعائیں دیں اور بے پناہ مسرت کا اظہار کیا۔ جب تک حیات رہے، ان کی شفقتوں کی پھواریں مجھ پر نثار رہیں۔ دو سال قبل والدِ مرحوم کی وفات کے بعد جب میں حضرت کے پاس پہونچا تو کہنے لگے کہ مجھے خبر مل گئی تھی، اللہ غریقِ رحمت فرمائے۔ میں نے کہا: حضرت! اگر چہ میں نے اپنے والد کی خدمت میں کوئی کمی نہیں کی، ان سے وہ عقیدت اور محبت بھی بے پناہ تھی، جو ایک سعید بیٹے کو اپنے والد سے ہوتی ہے، ان کی عبادات اور صفائی معاملات کا بھی میں قائل تھا، مگر ان کی ولایت کا معترف نہ تھا، ان کی وفات کے بعد حالات سن کر معلوم ہوا کہ وہ تو بڑے صاحبِ نسبت اور عارف باللہ تھے، اپنے انداز میں فرمانے لگے: دور بےوقوف! کیا کیا بول رہے ہو؟ وہ تو شروع سے ہی ولی تھے، یہ صحیح ہے کہ بعضوں کی ولایت بعد از مرگ ظاہر ہوتی ہے، فرمایا کہ تمہارے خاندان سے میں واقف نہیں ہوں کیا؟ تم تو اپنے ہو، آتے جاتے رہا کرو!

آخری بار ملاقات کے لیے چند ماہ پہلے پہونچا تو دیکھا کہ بدحال ہیں اور لیٹے ہوئے۔ ایک طالب علم خدمت میں مصروف۔ آنکھ کھلی تو پوچھا: کون؟ میں نے بتایا تو اٹھ کر بیٹھ گئے، میں نے خیریت پوچھی تو فرمایا: طبیعت کیا ٹھیک رہے گی، اب تو چل چلاؤ ہے، ان کی رحلت سے یہ ساری باتیں یکا یک تازہ ہو گئیں۔

مختصر حالاتِ زندگی

والد کا نام محمد عمر بن کریم بخش بن محمد علی۔ پیدائش ۲۸/دسمبر ۱۹۲۸ء میں ہوئی۔ چھ سال کی عمر میں یتیمی کا صدمہ جھیلا۔جن پہ گزری ہے وہی جانتے ہیں کہ یتیمی کا سایہ کس قدر درازتر، مہیب تر، تاریک تر ہوتا ہے۔والدہ محترمہ نے اپنی ذمہ داری بطرزِ احسن نبھائی۔پھر چند برسوں کے بعد جامع المعقول والمنقول شیخ الحدیث حضرت مولانا مسلم جونپوری صاحبؒ نے اپنی کفالت میں لے لیا۔حضرت جون پوری دارالعلوم مئو کے شیخ الحدیث اور اس کے کرتادھرتا تھے۔اس سے قبل بیت العلوم سرائے میر میں بھی شیخ الحدیث رہ چکے تھے۔مرحوم کی والدہ کا نکاح حضرت جون پوری سے ہوا تھا، شیخ ثانی اور حضرت جونپوری میں ممیرے پھوپھیرے کا رشتہ تھا۔شیخ، حضرت کے ماموں زاد بھائی تھے،لیکن نئے رشتے کے بعد شیخ ثانی انہیں اپنا والد کہتے رہے۔بہت زمانے تک میں تو یہی سمجھتا رہا کہ حضرت جون پوری شیخ عبدالحق صاحب کے حقیقی والد ہیں۔یہ حقیقت میرے والد مرحوم حضرت مولانا جمیل احمد ناصری نے سمجھائی۔والد مرحوم حضرت جون پوری کے خصوصی تلامذہ میں تھے،ان کے گھر کے کام کاج میں بھی میرے والد ہاتھ بٹاتے۔شیخ عبدالحق اعظمی صاحب سے والد مرحوم کا یارانہ تعلق تھا،درجہ بندی میں شیخ دو سال اوپر تھے۔

تعلیمی مراحل

آپ نے تعلیم کی بسم اللہ گاؤں کے مکتب ''مدرسہ امدادالعلوم'' میں کی،مشہور مجود قاری ابوالحسن اعظمی مدظلہٗ کے والد جناب حافظ محمد حنیف صاحبؒ ان کے ابتدائی استاذ تھے،وہیں انہوں نے ناظرہ خوانی کے علاوہ اردو سے آشنائی بھی کی۔یہاں سے اٹھے اور اپنے علاقے ہی کے نامور دینی ادارے مدرسہ بیت العلوم سرائے میر پہنچ گئے،یہاں انہوں نے عربی درجات کی اہم کتابیں پڑھیں۔یہ ۱۳۶۶ھ تھا،یہاں کے اساتذہ میں شیخ طریقت حضرت مولانا سجاد صاحب،حضرت مولانا عبدالقیوم صاحبؒ اور حضرت مولانا محمد سعید صاحبؒ جیسی بلند پایہ ہستیاں شامل ہیں۔یہاں آپ کا طالب علمانہ قیام پانچ برس اور چار ماہ رہا۔شعبان ۱۳۷۱ھ میں آپ بیت العلوم سرائے میر کو خیر باد کہہ حضرت جون پوریؒ کے ایماپر دارالعلوم مئو میں داخلہ لے لیا۔حضرت مولانا محمد مسلم صاحب جونپوریؒ یہیں مسند آرا تھے۔یہاں ان کی طالب علمی دو سال تک رہی،اس دوران انہوں نے اپنے کفیل ومربی مولانا محمد مسلم صاحب کے علاوہ حضرت مولانا محمد امین صاحب،حضرت مولانا منظور احمد صاحب،حضرت مفتی نظام الدین صاحبؒ (صاحبِ نظام الفتاویٰ) اور حضرت مولانا قاری ریاست علی سے بھرپور استفادہ کیا۔فخر القراء حضرت مولانا قاری مصطفیٰ صاحبؒ سے

تجوید کی کتابیں پڑھیں۔مشکوٰۃ تک پڑھ کر دارالعلوم دیوبند پہنچے اور ۵/شوال المکرم ۱۳۷۳ھ میں داخلہ پاکر شعبان ۱۳۷۴ھ میں فراغت پائی۔یہ دور دارالعلوم کا بے حد سنہرا دور تھا، یہاں ایک سے بڑھ کر ایک نوابغ خوانِ علم بچھائے ہوئے تھے۔شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ، علامہ ابراہیم بلیاویؒ، شیخ الادب مولانا اعزاز علی امروہویؒ اور حضرت مولانا فخر الحسن صاحبؒ جیسے اصحابِ علم وفن سے علوم ومعارف حاصل کئے۔ان کی طالب علمی کا دور بے حد شاندار گزرا۔جہاں رہے، اساتذہ کی آنکھوں کی پتلی بنے رہے۔شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ سے خصوصی رابطہ رہا۔مسلسلات کی اجازت شیخ الحدیث مولانا زکریا کاندھلویؒ اور حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ سے پائی اور اوائل سنبل کی اجازت محدث کبیر ابوالمآثر حضرت مولانا حبیب الرحمن الاعظمیؒ سے۔

تدریسی گہرافشانیاں

طالب علم کسی بھی فن کا ہو، اس میں چمک اور تیزی جبھی آتی ہے جب وہ درس کے بعد تدریس میں بھی اپنے آپ کو کھپائے۔نئے فاضل کے لئے سب سے کڑا مرحلہ تدریس کے لئے مناسب جگہ کا انتخاب ہوتا ہے۔بہت سے فضلا چاہ کر بھی کامیاب نہیں ہو پاتے اور کسی مکتب کی خوراک بن کر اپنی استعداد کھو بیٹھتے ہیں۔شیخ صاحب کی سعادت مندی یہ ہے کہ انہیں تدریس کے لئے دردر کی ٹھوکریں نہیں کھانی پڑیں، بلکہ قابل مہتممین نے بڑھ کر ان کا خیر مقدم کیا۔شعبان ۱۳۷۴ھ میں آپ نے سند فراغت حاصل کی اور محرم ۱۳۷۵ھ میں مدرسہ مطلع العلوم بنارس کا آپ کو شیخ الحدیث چن لیا گیا، ابتدائی قیام دو سال رہا۔اس دوران انہوں نے دوسری اہم کتابیں بھی پڑھائیں۔یہاں انہوں نے ایک دہائی سے زیادہ تک بخاری شریف اور دوسری کتب کی کامیاب تدریس کی۔آغاز تدریس کے دو سال بعد طالب علمی کا شوق ایک بار پھر غالب ہوا اور استعفادے کر ندوۃ العلماء لکھنؤ چلے گئے، پڑھی ہوئی کتابیں پھر ان کے لئے تجویز کی گئیں، ماحول بھی ناموافق تھا، دل نہ لگا اور وہاں سے چلے آئے۔مدرسہ مطلع العلوم نے پھر انہیں کھینچ لیا۔

مدرسہ مطلع العلوم بنارس میں قیام کے دوران پیٹ کا آپریشن ہوا، پچیس دن مسلسل ہسپتال میں گزرے۔ہسپتال میں ان کی خدمت حضرت مولانا حبیب الرحمن اعظمی استاذ دارالعلوم دیوبند نے کی۔یہ اس وقت اسی ادارے میں زیر تعلیم اور شیخ کے شاگرد تھے۔شفایابی کے بعد آب وہوا میں تبدیلی کی غرض سے ذوالحجہ ۱۳۸۲ھ میں مدرسہ حسینیہ گول ڈیہا ضلع گریڈیہہ (بہار، موجودہ جھارکھنڈ) تشریف لے گئے۔ایک سال کا عرصہ گزار کر شعبان ۱۳۸۳ھ میں گھر لوٹے تو ارباب مطلع العلوم پھر اپنے یہاں لے آئے۔

شوال ۱۳۸۸ھ (۱۹۶۹ء) میں دار العلوم مئو نے انہیں مدعو کیا۔ مطلع العلوم چھوڑ نے کو تیار نہ تھا، لیکن دار العلوم مئو کے شدید اصرار پر ایک سال کی رخصت لے کر دارلعلوم مئو تشریف لے گئے، یہاں انہوں نے بخاری شریف، ترمذی شریف، اور ہدایہ جیسی بلند پایہ کتابیں پرھائیں۔ اس علمی مرکز میں شیخ الحدیث کے علاوہ صدر المدرسین اور ناظم کتب خانہ بھی رہے۔ دار الافتاء کی ذمہ داری بھی آپ کے سر رہی، دریں اثنا آپ نے تیرہ ہزار فقہی سوالوں کے جوابات مفصل اور مدلل تحریر فرمائے جو عنقریب زیور طباعت سے آراستہ ہونے جارہے ہیں۔ ۱۴ر برسوں تک یہاں علم و ہنر کے موتی لٹائے۔ اہل علم اور اہل علاقہ سے رشتے مستحکم رہے۔

دار العلوم دیو بند میں

شیخ نے ۱۴رسال مسلسل دار العلوم مئو میں گزارے تھے کہ ۱۴۰۲ھ میں ایشیاء کی عظیم دینی درسگاہ دار العلوم دیو بند نے انہیں مدعو کرلیا۔ شوریٰ کا خط ملا تو ذمہ دارانِ دار العلوم مئو کے پیروں تلے سے زمین کھسک گئی۔ شیخ نے دیو بند کے لئے آمادگی ظاہر کردی، دار العلوم مئو نے روکنے کے ہزار جتن کئے، پر بات نہ بنی، اربابِ مئو نے تین تین بار ان کے گاؤں وفد بھیجا تا کہ وہ ان کی والدہ کو سمجھائیں، والدہ محترمہ نے ان کی خواہشوں کے احترام میں شیخ کو ہر چند روکنا چاہا لیکن انہوں نے یہ کہہ کر معذرت کرلی کہ زبان دے چکا ہوں، دیو بند نہ گیا تو بدنامی ہوگی۔ مجبوراً والدہ نے اجازت دے دی۔ دیو بند آئے تو بخاری شریف جلد ثانی کے علاوہ مشکوٰۃ جلد ثانی، موطا مالک اور الاشباہ والنظائر جیسی کتابیں آپ کے زیر تدریس رہیں۔ ۱۴۰۳ھ میں دار العلوم مئو نے پھر انہیں کھینچنا چاہا، وہ آمادہ بھی ہو گئے تھے، مگر دار العلوم دیو بند کے ذمہ داران نے ان کے قدم روک لئے۔ لگاتار ۳۶رسال دار العلوم میں شیخ الحدیث رہے۔ تدریس کا زمانہ شیخ الحدیثی سے کبھی خالی نہیں رہا۔ ۶۲ر برسوں تک بخاری شریف کے اسباق پڑھائے۔

اسلوبِ تدریس

میں نے شیخ صاحب سے مشکوٰۃ اور بخاری پڑھی ہے۔ شیخ کی خاص باتوں میں ''عدم ناغہ'' نمایاں تھا، اپنے فرضِ منصبی کی ادائیگی میں بے حد چست و مستعد۔ کوئی ناگزیر مسئلہ درپیش ہوتا تبھی گھنٹہ خالی کرتے۔ تدریس کا اسلوب بڑا نرالا تھا۔ حدیث کے ایک ایک لفظ کی بہترین تشریح کرتے۔ اغلاق، نہ ابہام۔ بالکل واضح اور بے غبار۔ جہاں ضرورت محسوس کرتے طویل کلام فرماتے۔ طلبہ کو ان کے اسباق میں بڑا مزہ آتا۔ تین تین چار گھنٹے مسلسل بیٹھتے، اس دوران موقع کی مناسبت سے عربی، اردو اور فارسی کے اشعار بھی

سناتے۔ گاہے سبق آموز لطیفے بھی سناجاتے۔ تین چار گھنٹے کس طرح گزرجاتے، پتہ ہی نہیں لگتا تھا۔

قلمی حصولیابیاں

شیخ الحدیث کا مزاج ''اخفائی'' تھا۔ وہ اپنے آپ کو نمایاں کرنے سے حتی الامکان گریز کرتے۔ ان کے بیش تر تلامذہ صرف اتنا جانتے ہیں کہ وہ بافیض مدرس اور شیخ الحدیث تھے، مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ صاحبِ تدریس کے ساتھ صاحبِ لوح وقلم بھی تھے۔ دارالعلوم مئو کے قیام کے زمانے میں انہوں نے تیرہ ہزار سوالات کے تفصیلی جوابات لکھے جو ان کی علمیت، وسعتِ نظر اور قلمی استعداد کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ ان جوابات سے ان کی فقہی بصیرت کا بھی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ بخاری شریف پر قیمتی تعلیقات، جامع ترمذی اور شمائل ترمذی پر بھی مفید حواشی تحریر کئے۔ ان کی طباعت ابھی باقی ہے۔ ان کے ماسوا علماء اور اربابِ قلم کی تصنیفات وتالیفات پر بھی تقریظات ومقدمات کی ایک طویل فہرست ہے۔ انہیں پڑھ کر یہ فیصلہ کرنا قطعی مشکل نہیں کہ لوح وقلم سے بھی ان کا رشتہ استوار اور محکم رہا ہے۔

بہ حیثیت قاضی

وقت پڑا تو شیخ الحدیث رحمہ اللہ نے افتاء وقضاء کی ذمہ داری بھی سنبھالی۔ مفقود الخبر اور اس جیسے نازک اور پیچیدہ مسائل کے حل کے لئے اعظم گڈھ میں دارالافتاء والقضاء کا شعبہ نہیں تھا۔ شیخ کے استاذ خاص حضرت مولانا سجاد صاحبؒ کی خصوصی کاوشوں اور کوششوں نیز قاضی مجاہد الاسلام القاسمیؒ (بہار) کے مشورے پر اس کا قیام عمل میں آیا۔ حضرت قاضی صاحبؒ، مولانا سجاد صاحب کو یہ ذمہ سونپنا چاہتے تھے، لیکن ان کے انکار کے بعد حضرت شیخ کو اتفاقِ رائے سے قاضی منتخب کرلیا گیا۔ آپ کو اعظم گڈھ کے اولین قاضی بننے کا شرف حاصل ہے۔

بیعت وسلوک

طبعی شرافت اور تحمل وسادگی انہیں طریقت میں بھی لے گئی۔ اولاً شیخ الاسلام مدنیؒ، پھر شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحبؒ کی زیر نگرانی تہذیبِ نفس کے مراحل طے کئے۔ شیخ الاسلامؒ کے خلیفۂ اجل حضرت مولانا محمود صاحبؒ سے خلافت پائی، بعدازاں صاحبزادہ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد طلحہ کاندھلوی دامت برکاتہم نے بھی اپنی خلافت سے نوازا۔ دو شیوخ سے حصولِ خلافت کے باوجود انہوں نے کبھی بھی اس کی تشہیر نہیں کی، جس کا اثر یہ ہے کہ ان کی یہ خوبی مخفی ہوکر رہ گئی۔ اکا دکا کسی کو پتہ چلا اور وہ بغرض بیعت ان کے پاس جاتا تو وہ کسی دوسرے شیخ سے رجوع کا مشورہ دیتے۔

استحضارِ علمی

شیخ کو اللہ تعالیٰ نے قابلِ رشک قوت حافظہ سے بھی نوازا تھا۔ حافظے کی یہ دولت بچپن سے آخر العمر تک رہی۔ آپ کی ذہانت کا ہی کمال تھا کہ صرف ایک ماہ میں قرآن پاک کے چار پارے حفظ کر لیے تھے، پھر جب طبیعت بگڑ گئی اور نقاہت بڑھ گئی تو ڈاکٹر نے تحفیظ القرآن سے انہیں منع کر دیا۔ آپ کے حافظ نہ ہونے کی بڑی وجہ یہی علالت رہی۔ حافظہ اور استحضارِ علمی کا ایک نمونہ یہ بھی قابلِ ذکر ہے کہ ایک بار ان کے صاحبزادے مولانا عبدالبر قاسمی (استاذ حدیث مدرسہ بیت العلوم سرائے میر) تراویح پڑھا رہے تھے، انہوں نے **جعلوا اللہ شرکاء الجن** کے ''جن'' کا اعراب غلط پڑھ دیا۔ فتحہ کے بجائے کسرہ۔ شیخ نے لقمہ دیا۔ گھر پہنچے تو مولانا عبدالبر صاحب نے کہا کہ جی! **جعلوا** کا مفعولِ ثانی ہونے کی بناء پر فتحہ ہی ہونا چاہئے۔ داماد مولانا محمد شاکر صاحب (مدرسہ بیت العلوم سرائے میر) نے کہا کہ ''جن'' کا فتحہ ''شرکاء'' سے بدلیت کی بناء پر ہے۔ شیخ نے فرمایا کہ جلالین اٹھاؤ! علامہ سیوطی نے دونوں ہی وجہیں لکھیں ہیں۔ کتاب کھولی تو ان کا بیان درست نکلا، حالاں کہ جلالین پڑھائے ۵۰/برس گزر چکے تھے۔

خطبات ومواعظ

تدریس کے ساتھ ساتھ تقریر وخطابت میں بھی شیخ کو ملکہ حاصل تھا۔ بہت صاف شگفتہ بولتے۔ نپے تلے جملے، حشو وزوائد سے پاک۔ میں نے ان کی خطابت کا جوہر پہلی مرتبہ ۱۴۱۷ھ میں دیکھا۔ دارالعلوم دیوبند کے مفتیٔ اعظم مولانا محمود حسن گنگوہیؒ کا افریقہ میں انتقال ہوا تو دارالعلوم کے دارلحدیث میں تعزیتی اجلاس رکھا گیا۔ اس جلسے میں شیخ کی تقریر سب میں نمایاں، پرسوز اور موثر رہی۔ خوب یاد ہے کہ انہوں نے اپنے خطاب کا آغاز اس شعر کے ساتھ کیا تھا ؎

جان کر منجملۂ خاصانِ مے خانہ مجھے
مدتوں رویا کریں گے جام و پیمانہ مجھے

کم وبیش آدھ گھنٹے تک ان کا خطاب رہا۔ اول سے آخر تک درد، اضطراب، کرب ان کی تقریر پر چھایا رہا۔ پورا بیان بھرائی ہوئی آواز میں۔ دارالحدیث کھچا کھچ بھرا ہوا تھا، مجمع پر سناٹا طاری۔ اس دوران انہوں نے مفتی اعظم کی یادیں بھی تازہ کیں اور دنیا کے بے ثباتی، موت اور فلسفۂ موت پر اظہارِ خیال بھی۔ ان کا یہ ''بکائی خطاب'' اس شعر پر ختم ہوا ؎

یہ عالم عیش وعشرت کا، یہ حالت کیف ومستی کی　　بلند اپنا تخیل کر، یہ سب باتیں ہیں پستی کی

جہاں دراصل ویرانہ ہے، گوصورت ہے بستی کی　　بس اتنی سی حقیقت ہے فریبِ خوابِ ہستی کی
کہ آنکھیں بند ہوں اور آدمی فسانہ ہو جائے

اس کے بعد بھی مختلف مواقع پر ان کے بیانات سے متمتع ہوا۔ خطبات میں قرآن وحدیث کا ورد زیادہ رہتا۔ قصے لطیفے بھی رہتے، مگر کم اور بقدر ضرورت۔ ملک کے علاوہ بیرونِ ملک میں بھی ان کے اسفار ہوئے۔ اسلوب بیان دل نشین اور سامعین کے دل ودماغ سے قریب ترین۔ بیان سادگی اور علمیت کا بہترین امتزاج۔ بعض جلسوں میں احقر بھی ان کا شریکِ سفر رہا۔

غیر مسلموں میں دعوتِ اسلام

شیخ کے اسفار صرف اجلاس تک ہی محدود نہ تھے، بلکہ غیر مسلموں میں دعوتِ اسلام کے لئے بھی انہوں نے سفر کئے۔ ان کی حیات کا یہ باب بے حد مستور اور آخر تک نظروں سے اوجھل رہا۔ اپنی اس کوشش کو حتی الامکان چھپاتے، کبھی کسی سے انہوں نے اس کا تذکرہ تک نہیں کیا، ان کی یہ مساعی بارگاہِ حق میں قبول بھی ہوئیں، چنانچہ ہریانہ، مظفرنگر، میرٹھ، چنڈی گڑھ، مہاراشٹر، گورکھ پور، غازی آباد، بڑہل گنج، بنارس، مئو اور اعظم گڑھ کے متعدد غیر مسلم ان کے دست حق پرست پر مسلمان ہوئے۔ ان کی وفات کے بعد جو ڈائری ملی ہے اس کے مطابق ۵۰/کافروں نے ان کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ جزاہ اللہ۔

سادگی اور وقار

اپنے علوم وکمالات اور متعدد خصوصیات کے ساتھ ان کی ایک بڑی خوبی ''سادگی'' تھی۔ ''تکلف'' نام کا کوئی لفظ ان کی لغت میں نہیں تھا۔ تصنع سے پاک رہتے۔ تام جھام اور بھیڑ بھاڑ سے گریزاں۔ موٹا جھوٹا پہنتے، نستعلیقیت پر کبھی توجہ نہیں دی۔ ملاقاتیوں سے ہشاش بشاش ملتے۔ اس سادگی نے ان کو سہل الحصول بنا دیا تھا، طلبہ جہاں چاہتے، بلا لیتے اور تقریر کروا لیتے۔

عاشق کا جنازہ تھا بڑی دھوم سے نکلا

آہ! اب وہ بھی ہمارے درمیان نہیں رہے، وہ اس عالم میں پہونچ چکے ہیں جہاں جا کر کوئی بھی واپس نہیں آتا۔ جمعہ کا ن گزار کر شبِ شنبہ میں ان کی وفات ہوئی۔ وفات کی خبر نے ایک بجلی سی گرادی۔

مجھے سنیچر کو دہلی جانا تھا، مگر اس سانحے کے بعد رک گیا، جنازے میں شرکت کا بھرپور ارادہ تھا، اسی لیے رکا بھی تھا، مگر صدمہ ایسا تھا کہ میری طبیعت خود بگڑ گئی، سر میں درد، منہ بھر قے، جاڑا اور کمزوری۔ مجھے ایسا لگا کہ جنازے میں شرکت نہیں ہو پائے گی، نماز کا مقررہ وقت ڈیڑھ بجے کا تھا، تاہم تاخیر ہوتے ہوتے

پونے چار بج گئے، میرے ایک عزیز کا فون آیا کہ جنازہ تیار ہے اور آپ دکھ نہیں رہے، تو میں نے معذرت پیش کردی، پھر دل نے ملامت کی کہ یہ تو شقاوت اور بے وفائی ہے، اٹھو! میں نے ہمت کی اور باہر نکلا تو دیکھا کہ ایک موٹر سائیکل کھڑی ہوئی ہے، اس پر سوار ہوکر مدنی گیٹ پہونچا تو یوں لگا کہ نماز شروع ہے، تیز چلا، بلکہ دوڑا تو تکبیر سنائی دی، مجھے معلوم نہ تھا کہ یہ کون سی تکبیر تھی؟ فوراً شریک ہوگیا، جنازہ باب الظاہر کے پاس تھا، امام استاذ محترم مولانا ارشد مدنی مدظلہ تھے، امام نے سلام پھیرا تو پتہ چلا کہ میری ایک تکبیر چھوٹ گئی ہے، تکبیر کی قضا کر کے سلام پھیرا اور ہجوم کو دیکھا تو دنگ رہ گیا، سر ہی سر، انسانوں کا سمندر، کلاہ داروں اور سفید پوشوں کا جم غفیر۔ حالاں کہ دارالعلوم، دارالعلوم وقف اور جامعہ امام محمد انور شاہ سمیت کئی اداروں میں تعطیل تھی، اس تعطیل کے باوجود ایسی بھیڑ اور اتنا زبردست اجتماع ناقابلِ یقین تھا۔ چار بجے جنازہ ہوا اور چار منٹ کے بعد دیکھا تو حضرت کا جسدِ خاکی کاندھوں پر تھا، اس ہاتھ اور اس ہاتھ ہوتا ہوا گورستانِ قاسمی پہونچ گیا، جنازہ دیکھ کر ایک بار پھر آبدیدہ ہوگیا، کاندھوں پر حضرت کو دیکھ کر دل نے گواہی دی کہ عاشق کا جنازہ جس شان سے جانا چاہیے، اس سے بھی بڑی شان سے اپنے مسکن جارہا ہے، امید ہی نہیں، یقین ہے کہ فرشتوں نے بڑھ کر ان کا استقبال کیا ہوگا۔ علم وہنر کا وہ آفتاب بالآخر غروب ہوگیا، جو 1928 میں جگدیش پور میں طلوع ہوا تھا۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعہ

☆☆☆☆☆

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقُولُوا رَاعِنَا وَقُولُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوا ۗ وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿١٠٤﴾

اے ایمان والو تم نہ کہو راعنا اور کہو انظرنا اور سنتے رہو اور کافروں کو عذاب ہے دردناک۔

مسئلہ: اس آیت سے یہ بات ہوئی کہ اگر اپنے کسی جائز فعل سے دوسروں کی ناجائز کاموں کی گنجائش ملتی معلوم ہو تو یہ جائز فعل بھی اس کے لئے جائز نہیں رہتا جیسے اگر کسی عالم کے جائز فعل سے جاہلوں کو مغالطہ میں پڑنے اور ناجائز کاموں میں مبتلا ہونے کا خطرہ ہو تو اس عالم کا جائز فعل بھی ممنوع ہوجائے گا بشرطیکہ یہ فعل شرعاً ضروری اور مقاصد شرعیہ میں سے نہ ہو، اس کی مثالیں قرآن وسنت میں بہت ہیں، اسی کی ایک دلیل وہ حدیث ہے جس میں ارشاد ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کہ بیت اللہ کی تعمیر جو قریش نے زمانہ جاہلیت میں کی تھی اس میں کئی چیزیں بناء ابراہیمی کے خلاف کردی ہیں، میرا دل چاہتا ہے کہ اس کو منہدم کر کے از سر نو بناء ابراہیمی کے مطابق بنادوں لیکن اس سے ناواقف عوام کے فتنہ میں مبتلا ہوجانے کا خطرہ ہے، اس لئے بالفعل ایسا نہیں کرتا۔ ایسے احکام کو اصول فقہ کی اصطلاح میں سد ذرائع سے تعبیر کیا جاتا ہے جو سبھی فقہاء کے نزدیک معتبر ہے خصوصاً حضرات حنابلہ اس کا زیادہ اہتمام کرتے ہیں۔ (معارف القرآن جلد اوّل)

روہنگیائی مسلمانوں کی حالتِ زار اور آنگ سانگ سوکی

عبداللہ رشید قاسمی
حق ایجوکیشن اینڈ ریسرچ فاؤنڈیشن، کانپور

مسلسل کئی برسوں سے ظلم وستم کی چکی میں پس رہے میانمار کے روہنگیائی مسلمانوں پر ایک مرتبہ پھر عرصہ حیات تنگ ہوتا نظر آرہا ہے۔ اس کی شروعات اس وقت ہوئی جب چند مشتبہ روہنگیائی دہشت گردوں نے منظم طریقے سے حملہ کر کے ۹/فوجیوں کو ہلاک کر دیا۔ اس کے بعد سے ہی اقلیتی طبقہ کی اکثریت والا صوبہ ''راکھنے'' فوجیوں کے نشانے پر ہے، یہاں کی فوج تلاشی کے نام پر بے قصوروں پر ظلم کر رہی ہے، عورتوں کی عزت وناموس کو پامال کیا جارہا ہے، ان کے املاک کو تباہ وبرباد کیا جارہا ہے۔ ستم بالائے ستم یہ کہ فوجی چھاؤنی میں تبدیل ہو چکے اس علاقہ میں میڈیا اور دیگر عالمی اداروں، امدادی تنظیموں کو جانے کی اجازت نہیں ہے تاکہ وہاں کے بے بس ولاچار مسلمانوں پر ہو رہے ظلم وستم کی سچائی سامنے نہ آسکے۔ فوجیوں کا کہنا ہے کہ تقریباً ۴۰۰/روہنگیائی مسلمان وہاں کی سرکاری فوجیوں کے خلاف ہتھیار اٹھانے کے فراق میں ہیں۔ نیز ان کا کہنا ہے کہ ان تمام لوگوں نے عالمی دہشت گرد تنظیموں سے ٹریننگ حاصل کی ہے، اس لئے یہاں کی فوج صوبہ میں قدم جمانے والے کسی بھی جہادی نیٹ ورک کا قلع قمع کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑے گی۔

اجتماعی سزا کی بھیانک تصویر

یہ بحران اس وقت سامنے آیا جب بنگلہ دیشی نژاد اقوام متحدہ کے ہائی کمشنر برائے پناہ گزیں جان میکی سیک نے نومبر میں بی بی سی کو بتایا کہ میانمار کی فوج روہنگیائی باشندوں کی نسل کشی کر رہی ہے۔ انہوں نے مزید کہا کہ فوج مردوں کو گولی مار رہی ہے، معصوم بچوں کو ذبح کر رہی ہے، عورتوں کی عصمت دری کر رہی ہے اور ان کے املاک کو تباہ کر رہی ہے۔ جس سے نبرد آزما ہو کر وہاں کے مسلمان سمندر کے راستے ہجرت کر کے

بنگلہ دیش دوسرے ممالک میں پناہ ڈھونڈ پر مجبور ہیں۔انہوں نے اس پوری صورت حال کو روہنگیائی مسلمانوں کی اجتماعی سزا سے تعبیر کیا، وہیں عالمی ایجنسی نے بھی اس بحران کو عالمی قوانین کی خلاف ورزی قرار دیا۔ دوسری طرف میانمار کی حکومت نے اقوام متحدہ کے ہائی کمشنر برائے پناہ گزین کے ذریعہ اپنی فوج پر لگائے گئے تمام الزامات کی تردید کرتے ہوئے کہا کہ ان کا بیان یہاں کی فوج کے خلاف ایک پروپیگنڈہ ہے اور یہ کہ انہیں اپنے اقدار کا پاس رکھنا چاہئے؛ کیوں کہ ان کے ذریعہ لگائے گئے الزامات سے ان کے دل کو ٹھیس پہنچی ہے۔

مسئلہ کی سنگینی سے چشم پوشی

میانمار کی موجودہ صورت حال، نوبل انعام یافتہ آنگ سانگ سوکی کی قیادت والی ملک کی پہلی جمہوری طور پر منتخب حکومت کے لئے آزمائش کی گھڑی ہے؛ کیوں کہ جہاں ایک طرف آنگ سانگ سوکی دنیا کے سامنے امن وامان اور قومی مصالحت کا وعدہ کر رہی ہیں، وہیں روہنگیائی باشندوں کا قتل عام کرنے والی میانمار کی فوج کی عالمی سطح پر مذمت کی جارہی ہے۔ دسمبر کے اوائل میں سنگاپور میں عالمی انٹرپرائزز گلوبل کنوینشن سے خطاب میں آنگ سانگ سوکی نے کہا تھا کہ کثیر المذہب والے ملک میانمار کے لئے معاشی صورت حال کو بہتر بنانے کے لئے استحکام حاصل کرنا بہت ضروری ہے، لیکن انہوں نے ''راکھنے'' اسٹیٹ میں پھیلی بدامنی کا کوئی ذکر نہیں کیا۔

اب ایک بڑا سوال یہ ہے کہ ملک کی پہلی جمہوری طور پر منتخب حقیقی رہنما آنگ سانگ سوکی روہنگیا مسئلہ کو حل کرنے سے قاصر کیوں ہیں اور اس کے پیچھے کیا اسباب ہیں؟ یا تو وہ گذشتہ انتخابات میں ان کی حمایت کرنے والے برمی اکثریت کو خوش کرنے کے لئے روہنگیائی مسلمانوں کی حالت سے چشم پوشی کر رہی ہیں یا پھر ملک کی مسلح فوج کو روہنگیائی باشندوں کی نسل کشی کرنے کے لئے کھلی چھوٹ دے رکھی ہے۔

موجودہ حالات اور سوکی

درحقیقت میانمار کے موجودہ حالات میں ملک کی وزیر اعظم ہوتے ہوئے بھی وہ کوئی فیصلہ لینے کے لئے آزاد نہیں ہیں؛ کیوں کہ میانمار کے دستور کے مطابق ۲۵/فیصد پارلیمانی سیٹیں فوج کے لئے مختص ہیں اور آئین میں کسی بھی طرح کی ترمیم کے لئے ۷۵/فیصد ارکان پارلیمنٹ کی طرف سے منظوری ضروری ہے۔ نیز وہاں کا قانون فوج کو یہ بھی اختیار دیتا ہے کہ وہ ایمرجنسی نافذ کر کے کسی بھی حکومت کو کالعدم کر دے۔ یہ وہ اسباب ہیں جن کی وجہ سے آنگ سانگ سوکی اپنی مرضی سے فیصلہ کی مجاز نہیں ہیں۔

جمہوریت کے اوپر منڈلاتے بادل

بہرحال وجہ جو بھی ہو اگر بروقت ہانگ سانگ سوکی کوئی فیصلہ صحیح فیصلہ نہیں لیتی ہیں اور اپنی فوج کے ذریعہ روہنگیائی مسلمانوں پر ہو رہے مظالم پر قابو پانے میں کامیاب نہیں ہوتی ہیں تو جمہوری نظام کے نفاذ کے لئے ان کی تمام کوششیں رائیگاں ہو جائیں گی اور میانمار کی لڑکھڑاتی جمہوریت دم توڑ دے گی۔اس لئے سوکی کو چاہئے کہ وہ اپنی فوج پر لگائیں، تاکہ وہ عالمی دہشت گرد تنظمیں جو روہنگیائی بحران سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کر رہی ہیں، میانمار میں اپنے پاؤں نہ پھیلا سکیں۔داعش اور القاعدہ جیسی مختلف تنظیمیں روہنگیائی مسلمانوں کی مدد کے بہانے بنگلہ دیشی جہادیوں کے ساتھ مل کر میانمار میں کسی بڑے حملے کی کوشش کر رہی ہیں۔

ضرورت اس امر کی ہے

داعش نے گذشتہ برس اگست میں ملیشیا پولیس کو بھیجے گئے ایک پیغام میں آنگ سانگ سوکی کے قتل کرنے کی بھی بات کہی تھی جو میانمار کے لئے خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔ایسے نازک حالات میں آنگ سانگ سوکی کو چاہئے کہ وہ کوئی ٹھوس قدم اٹھائیں اور وہاں کے بدھشٹوں اور فوج کے ذریعے مسلمانوں پر کئے جارہے مظالم پر روک لگائیں۔اگر وہ ایسا کرنے میں کامیاب نہیں ہوتی ہیں تو یقیناً عالمی سطح پر حاصل ہونے والی سیاسی اور معاشی حمایت کھو دیں گی جس کی مدد سے ہی وہ میانمار میں اپنی حکومت بنانے میں کامیاب ہو سکی تھیں۔آنے والے دنوں میں دیکھنے والی بات یہ ہوگی کہ وہ کس طرح برمی اکثریت کے مفاد اور روہنگیائی باشندوں کے حقوق کی حفاظت کرتی ہیں؟

☆☆☆☆☆

مالی فرض صرف زکوٰۃ نہیں

مسئلہ: مالی فرض صرف زکوٰۃ سے پورا نہیں ہوتا ہے زکوٰۃ کے علاوہ بھی بہت جگہ پر مال خرچ کرنا فرض وواجب ہوتا ہے۔(جصاص، قرطبی) جیسے رشتہ داروں پر خرچ کرنا کہ جب وہ کمانے سے معذور ہوں تو نفقہ ادا کرنا واجب ہوتا ہے کوئی مسکین غریب مر رہا ہے اور آپ اپنی زکوٰۃ ادا کر چکے ہیں مگر اس وقت مال خرچ کر کے اس کی جان بچانا فرض ہے۔

اسی طرح ضرورت کی جگہ مسجد بنانا، دینی تعلیم کے لئے مدارس ومکاتب بنانا، یہ سب فرائض مالی میں داخل ہیں۔فرق اتنا ہے کہ زکوٰۃ کا ایک خاص قانون ہے اس کے مطابق ہر حال میں زکوٰۃ کا ادا کرنا ضروری ہے اور یہ دوسرے مصارف ضرورت وحاجت پر موقوف ہیں جہاں ضرورت ہو خرچ کرنا فرض ہو جائے گا جہاں نہ ہو فرض نہیں ہوگا۔(معارف القرآن جلد اوّل ص ۳۳-۴۳۲)

جامعہ کی سرگرمیاں

مولانا فضیل احمد ناصری القاسمی

شش ماہی تعطیل کے بعد تعلیمی سرگرمیاں بحال

ششماہی امتحان اپنے مقررہ ایام میں بحسن وخوبی تکمیل پذیر ہوا، جس کی تفصیل سابقہ شمارے میں آچکی ہے، امتحان کے بعد پندرہ یوم کی تعطیل عام رہی۔ طلبہ اور اساتذہ اپنے گھر تشریف لے گئے۔ ہر جماعت کی ایک ایک کتاب کا امتحان روک لیا گیا تھا تاکہ طلبہ بروقت حاضر ہوسکیں اور تعلیمی سرگرمیاں حسبِ سابق بحال ہوجائیں، اساتذۂ کرام اور طلبہ تعطیل پوری ہوتے ہی اپنے وطن سے لوٹ آئے، چناں چہ بقیہ کتابوں کا امتحان ۷/جنوری کو ہوا۔ امتحان کے ساتھ ہی، تعلیمی مصروفیات پھر جاری ہوگئیں اور طلبہ واساتذہ اپنے اپنے علمی معمولات ووظائف میں مصروف ہوگئے۔

شش ماہی امتحان کے نتائج

شش ماہی امتحان کے نتائج الحمدللہ آویزاں کردیئے گئے ہیں۔ نتائج بحیثیت مجموعی امید افزا اور خوش کن ہیں۔ حضرات ممتحنین نے حسبِ سابق سخت اور محیط جائزے لئے اور اپنے تأثرات نیز مفید مشوروں سے نوازا۔ امید ہے کہ ان شاء اللہ طلبہ اپنا مستقبل خوش گوار اور قابلِ رشک بنانے میں مستعدی کے مزید مظاہرے کریں گے۔ ہر جماعت کے سرفہرست تین ممتاز طلبہ کے اسمائے گرامی اس طرح ہیں:

درجۂ حفظ:

محمد ابرار سہرسہ، اوّل	محمد گلزار شاملی، دوم	محمد اسماعیل بستی، محمد شاہد سہرسہ سوم

عربی اوّل:

رضا کریم جھارکھنڈ، اوّل	محمد اظہر اڑیسہ، دوم	محمد اجمل غنی دیوبند، سوم

عربی دوم:

نور محمود الحسن آسام، اوّل	عبید اللہ کبیر نگر، دوم	رفیع اللہ کبیر نگر، سوم

عربی سوم:

مستفیض اختر بنگال، اوّل	محمد حسن سرور دربھنگہ، دوم	مجاہد الاسلام بنگال، سوم

عربی چہارم:

محمد زریاب دہلی، اوّل	محمد شبیر مہاراشٹر، دوم	محمد ابوسعد جھارکھنڈ، سوم

عربی پنجم: (موقوف علیہ)

محمد زاہد ارشاد دہلی، اوّل	عبدالرحمٰن آندھرا پردیش، دوم	مہتاب عالم سیتامڑھی، سوم

دورۂ حدیث شریف:

عرفان احمد کبیر نگر، اوّل	سیف الحق بھاگل پور، دوم	محمد صدیق مہاراشٹر، سوم

تکمیل ادب عربی:

محمد زبیر اتراکھنڈ، اوّل	محمد ریحان مظفر نگر، سوم

تکمیل افتاء:

محمد ذکر اللہ چمپارن، اوّل	محمد اسلم ایم پی، دوم	محمد عامر میرٹھ، سوم

عربی دوم کے طالب عزیزم محمود الحسن آسامی 85 فیصد نمبرات حاصل کر کے پورے جامعہ میں ممتاز رہے۔

طلبہ کے درمیان لحاف وکمبل کی تقسیم

ہر سال کی طرح رواں ٹھنڈ میں بھی غریب ونادار طلبہ میں لحاف وکمبل تقسیم کئے گئے۔ اساتذۂ حدیث مولانا عبدالرشید بستوی، مولانا ابوطلحہ اعظمی اور احقر فضیل احمد ناصری سمیت ناظم دارالاقامہ مولانا مفتی محمد ساجد بستوی کے ہاتھوں طلبہ کو موسم سرما کا یہ تحفہ دیا گیا۔ ناظم دارالاقامہ نے مستحق طلبہ کی ایک فہرست تیار کی تھی، جس کے مطابق راحت کے یہ سامان مہمانانِ مسلمین کو دیئے گئے۔

انعامی اجلاس کی تیاریاں شروع

جامعہ ہر سال اپنے خوشہ چینوں کو کتابوں اور نقود کی صورت میں انعامات سے نوازتا ہے۔ اسی روایت کو آگے بڑھاتے ہوئے رواں ماہ ایک اہم جلسۂ انعامیہ منعقد کر رہا ہے۔ جس میں ۱۴۳۷ میں سالانہ امتحان میں شریک طلبہ کو گراں قدر انعامات سے نوازا جائے گا۔ ہر جماعت کے سرفہرست تین طلبہ کو درجنوں کتابیں اور نقود انعام میں دی جائیں گی۔ غیر ممتاز طالبانِ علوم کو بھی تشجیعی انعامات سے سرفراز کیا جائے گا۔ اجلاس کی تیاریاں شروع ہو چکی ہیں۔ اجلاس کو کامیاب بنانے کے لئے اساتذۂ کرام کی کئی کمیٹیاں تشکیل دی گئی ہیں۔ اس موقع پر طلبہ کا بھی مختصر پروگرام بھی رہے گا۔

حضرت مہتمم صاحب مدظلہٗ بنگلہ دیش میں

رواں ماہ کے اوائل میں رئیس الجامعہ حضرت مولانا سیّد احمد خضر شاہ مسعودی کشمیری دامت برکاتہم نے بنگلہ دیش کا سفر فرمایا، ملک کی راجدھانی ڈھاکہ سے ایک عظیم الشان تنظیم ائمہ کی دعوت پر ۵/روزہ دعوتی وتبلیغی پروگرام کے لئے ۲/فروری سے ۷/فروری تک بنگلہ دیش میں قیام رہا، جس میں ڈھاکہ شہر ونواح میں مرکزی اداروں ومساجد میں تنظیم ائمہ کی جانب سے حضرت کے بیانات سے مستفید ہونے کے لیے متعدد جلسے ہوئے، جن کی تفصیل آئندہ شمارہ میں قارئین محدث عصر کی خدمت میں پیش کی جائے گی۔

تعمیرِ چمن

انسان کے باطن پر ظاہر بہت اثر انداز ہوتا ہے۔ جہاں تک شریعت اس کی اجازت دے، اس سے فائدہ اٹھانے میں کوئی قباحت نہیں، بلکہ بعض مواقع پر ظاہر سے فائدہ اٹھانا ضروری بھی ہے۔ جامعہ نے اپنے آغاز ہی سے طلبہ کی مستقبل سازی کے لئے جہاں دیگر وسائل کا سہارا لیا ہے، وہیں خوش گوار اور عطر بیز فضا کی ضرورت کا ہمیشہ خیال رکھا ہے، چناں چہ جامعہ کے وسیع ترین احاطے میں خوب صورت چمن کی تعمیر اور اس کی تہذیب وآرائش کا کام مسلسل جاری ہے۔ باب معظم شاہ سے دار الحدیث انور ہال تک سڑک کی دونوں جانب رنگا رنگ اور نایاب پھولوں کے پودے لگا دیئے گئے ہیں، جن سے پھوٹنے والے شگوفے اور شگفتہ دہن پھول دعوت ہر گزرنے والے کو نظارہ دے رہے ہیں۔

مفتی نثار خالد صاحب کے والد صاحب کے لئے دعائے صحت

جامعہ کے استاذ حدیث وافتاء محترم جناب مولانا مفتی نثار خالد قاسمی دیناج پوری کے والد محترم ان دنوں شدید علالت سے دو چار ہیں۔ انہیں انتہائی نگہ داشت والے شعبہ آئی سی یو میں داخل کیا گیا ہے۔ جامعہ میں ان کی صحت کے لئے دعائیں کی گئیں۔ قارئین سے بھی گزارش ہے کہ مفتی صاحب کے والد ماجد کے لئے صحت کی دعاء فرمائیں۔

وفیات

دسمبر کے اواخر اور وسط جنوری کے دوران میں متعدد علمی ہستیاں داغ مفارقت دے گئیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ ﴿۱۵۶﴾ ان کے بغیر بزمِ علم سونی ہے۔ اللہ ان تمام مرحومین کو ان کی خدماتِ جلیلہ کا بہتر صلہ عطا فرمائے۔ چند مرحومین کے اسمائے گرامی مع مختصر تعارف درج ذیل ہیں:

شیخ عبدالحق محدث اعظمیؒ

۳۰/دسمبر کو مرحوم کا وصال ہوا۔ آپ کا وطنی تعلق جگدیش پور ضلع اعظم گڑھ سے تھا۔ دارالعلوم مئو اور دارالعلوم دیوبند سے اکتساب فیض کیا۔ ۱۹۴۹ء میں دارالعلوم سے فراغت پائی۔ آپ کے اہم اساتذہ میں شیخ الاسلام مولانا مدنیؒ، علامہ ابراہیم بلیاویؒ اور شیخ الادب مولانا اعزاز علیؒ سرفہرست ہیں۔ فراغت کے بعد بنارس میں ۱۶/برس تدریس کی، گریڈیہہ (جھارکھنڈ) میں بھی پڑھایا، دارالعلوم مئو میں ایک دہائی سے زیادہ عرصہ گزارا، اس دوران ابتدا سے انتہا تک چھوٹی بڑی تمام کتابوں کا کامیاب ترین درس دیا۔ یہاں برسوں بخاری شریف کے اسباق متعلق رہے۔ ۱۹۸۲ء میں بخاری شریف جلد ثانی کی تدریس کے لئے دارالعلوم دیوبند نے آپ کو مدعو کرلیا، اس کے بعد سے تاحین حیات مسلسل ۳۴/برسوں تک پورے علمی انہماک کے ساتھ علوم وکمالات کے موتی لٹاتے رہے۔ ۱۹۲۸ء میں ولادت ہوئی اور ۸۸/سال کی طویل عمر پاکر راہیٔ آخرت ہوئے۔ **اللھمّ برد مضجعه**۔

مولانا کو جامعہ ہذا سے بڑا تعلق تھا۔ متعدد امتحانات کے موقع پر موصوف تشریف لائے اور اپنے گراں قدر تاثرات سے جامعہ کو نوازا۔ رحمہ اللہ۔

حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحبؒ

پاکستان کے معروف ترین عالم دین، متعدد علمی کتابوں کے مصنف، بخاری شریف اور مشکوٰۃ کے شارح۔ اسلافِ دیوبند کے چشم دید گواہ۔ شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کے ممتاز تلمیذ رشید، حکیم الامت حضرت تھانویؒ کی مجلسوں سے مستفید، مسیح الامت حضرت مولانا مسیح اللہ خاں صاحب جلال آبادی کے تربیت یافتہ۔

حضرت مرحوم نے متعدد کتابیں یادگار چھوڑیں، جن میں کشف الباری شرح اردو بخاری اور نفحات التنقیح شرح مشکوٰۃ المصابیح بطور خاص قابلِ ذکر ہیں۔ ۱۹۲۶ء میں ولادت ہوئی اور ۹۰/سال کی عمر میں ۱۵/جنوری کو آخرت کی راہ لی۔ مرحوم کا تعلق پاکستان کے خیبر ایجنسی سے تھا۔ ان کا خاندان وہاں سے ہجرت کر کے مظفر نگر (انڈیا) آیا، یہیں ان کی پیدائش ہوئی، مدرسہ مفتاح العلوم جلال آباد اور دارالعلوم دیوبند سے علمی فیوض حاصل کئے۔ ۱۹۴۷ء میں دارالعلوم سے فراغت پائی۔

مولانا نے فراغت کے بعد مدرسہ مفتاح العلوم جلال آباد میں متواتر آٹھ سال تک تدریسی خدمات انجام دیں۔ پھر پاکستان چلے گئے اور وہیں کے ہو رہے۔ انہوں نے اپنے ملک کی متعدد درس گاہوں میں علوم ومعارف کے آبدار گوہر لٹائے۔ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی قائم کردہ درس گاہ دارالعلوم ٹنڈو الہ

یارسندھ، دارالعلوم کراچی، جامعہ الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی اور پھر اپنے قائم کردہ ادارے ''جامعہ فاروقیہ'' کراچی میں درس وتدریس کے فرائض انجام دیئے۔ اول الذکر میں تین سال، ثانی الذکر میں دس سال، ثالث الذکر میں ایک سال، جب کہ موخر الذکر میں تاحیات مدرس ومنتظم رہے۔ آپ کے بڑے کارناموں میں سے ایک بڑا کارنامہ ''وفاق المدارس'' ہے۔ آپ ۱۹۸۰ء میں اس کے ناظمِ اعلیٰ اور ۱۹۸۹ء میں اس کے صدر منتخب ہوئے۔ آپ کے زمانۂ صدارت میں وفاق نے غیر معمولی ترقی کی اور حکومت سے منظور کرواکر وفاق سے مربوط مدارس کے فضلاء کو سرکاری مراعات کا مستحق بنایا۔ وفاقی مدارس کا نصاب ایک ہے اور سارے مدارس کے امتحانات وفاق کے تحت ہوتے ہیں۔

امام العصر علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ کے تلمیذِ خاص حضرت علامہ یوسف بنوریؒ سے مرحوم کی خاص وابستگی رہی۔ مرحوم قدیم وضع کے عظیم عالم دین تھے۔ نور اللہ مرقدہٗ۔

مولانا محمد یوسف کاوی صاحبؒ

گجرات کے نمایاں عالم دین حضرت مولانا محمد یوسف کاوی صاحب نے بھی ۳/ربیع الثانی کو داعیٔ اجل سے ہاتھ ملالیا۔ مرحوم زبردست عالم اور صاحبِ نسبت بزرگ تھے۔ گجرات کی مرکزی دینی درس گاہ جامعہ تعلیم الدین ڈابھیل میں برسوں شیخ الحدیث رہے۔ یہ وہی ادارہ ہے جہاں امام العصر علامہ سید محمد انور شاہ کشمیریؒ نے اپنی عمر کے آخری پانچ سال تدریس میں گزارے اور ایک گمنام سے ادارے کو عالمی سطح پر متعارف کراکراسے علمی مرکز میں تبدیل کردیا۔ حق جل مجدہٗ ان تمام کی مغفرت فرمائے۔

ان تمام مرحومین کے ایصالِ ثواب کے لئے جامعہ میں دعا ہوئی اور ان کی خدمات علمیہ کو بھرپور خراج تحسین پیش کیا گیا۔ رئیس الجامعہ حضرت مولانا سید احمد خضر شاہ کشمیری دامت برکاتہم نے ان تمام مرحومین کے اہل خانہ کو تعزیت پیش کیا ہے۔ اللہ عزوجل پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے اور ملت اسلامیہ کو ان کا نعم البدل مرحمت کرے۔

واردین وصادرین

انکلیشور گجرات سے جناب رشید سیٹھ صاحب جامعہ میں تشریف فرما ہوئے، متعدد اسباق میں شرکت فرمائی اور جامعہ میں جاری تعمیری وتعلیمی سرگرمیوں کا جائزہ لیا۔ تفصیلی معائنہ کے بعد ارباب جامعہ کے تئیں اپنی مسرتوں اور اطمینان کا اظہار فرمایا۔

☆☆☆☆☆

نقد و نظر

نام کتاب:	حیاب نھومیاںؒ	جامع ومرتب:	مولانا محمد سلمان گنگوہی
ناشر:	مکتبہ فیضِ محمود گنگوہ، سہارن پور (یوپی)	صفحات:	۳۲۴/
قیمت:	۲۰۰/روپئے	مبصر:	مولانا فضیل احمد ناصری القاسمی

مغربی یوپی میں واقع ضلع سہارن پور تاریخی حیثیت کا حامل ہے، شہر تو شہر، اس کے چند قصبات اور دیہات بھی غیر معمولی شہرت اور آفاقی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان میں دیوبند سب سے ممتاز، سب سے بالا اور سب سے مقبول ہے۔ سہارن پور کی کلاہِ افتخار کو مزید وقار عطا کرنے میں گنگوہ بھی اپنے لافانی نقوش رکھتا ہے۔ یہاں علم وعرفان کی وہ مجلسیں جمیں، وہ محفلیں سجیں کہ سمرقند و بخارا کی یادیں ان سے تازہ ہوگئیں۔ حضرت مولانا عبدالقدوس صاحب گنگوہیؒ اس قصبے کی اولین وجہِ تعارف ہیں۔ یہ قطب الاقطاب کے لقب سے یاد کئے گئے۔ پھر چراغ سے چراغوں کے جلنے کا سلسلہ جاری ہوا اور دیکھتے ہی دیکھتے گنگوہ کا ذرہ ذرہ وارثینِ انبیاء کے انفاس سے جگمگا اٹھا۔

قطب الاقطاب کی نسل میں ایک شخصیت وہ بھی پیدا ہوئی جس کے علم وفضل اور ظاہری وباطنی پاکیزگی کے قصے آج بھی جوان اور گرم ہیں۔ یہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ ہیں، جو اپنی لاثانی علمیت اور دریائے معرفت وکمال کی شناوری کے باعث فقیہ النفس کہلائے گئے۔ علمائے دیوبند کی بنیادی شخصیات میں ان کا نام آتا ہے۔ انہیں کے پوتے حکیم عبدالرشید محمود تھے، جو آگے چل کر مولانا اور حکیم بھی ہوئے۔ عہد طفلی میں تھے، حضرت شیخ الہندؒ ایک مرتبہ گنگوہ پہنچے تو نام کی بجائے ''نھومیاں'' سے پکارا، عبدالرشید محمود صاحب اس دن سے نھومیاں کے نام سے مشہور ہو گئے۔ اب یہی نام اصل نام پر غالب آ گیا ہے اور اصل نام اس قدر مستور کہ بہت سے قریبی بھی نہیں بتا سکتے۔

حکیم نھومیاں ولد مولانا حکیم مسعود احمدؒ ولد قطب عالم مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی ولادت حضرت گنگوہیؒ کی وفات کے چار سال بعد ۱۹۰۹ء میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم اپنے گھر پر جب کہ فراغت ۱۳۴۳ھ میں دارالعلوم دیوبند سے پائی۔ مرحوم اگرچہ باقاعدہ عالم اور جید اہل علم تھے، مگر درس وتدریس سے کبھی وابستہ نہ رہے۔ حکمت اور طبابت کو انہوں نے پیشہ بنایا، تاہم علم، علماء اور مدارس ومساجد ان کی رگ وپے میں رچے

بسے رہے۔ ان کی شخصیت دل چسپ اور کثیر الجہات تھی، جب تک حیات رہے، علماء اور مشائخ کے منظور نظر رہے۔ ۱۹۹۵ء میں وفات پائی۔

حکیم صاحب کی وفات پر دو دہائیاں بیت چکی ہیں، شخصیت کتنی ہی عظیم کیوں نہ ہو، کوئی تصنیفی یا تنظیمی کارنامہ اس کے نام نہ ہو تو مرورِ ایام رفتہ رفتہ اس پر نسیان کی دھول ڈال دیتا ہے۔ سوانحی کتابیں اس غبار کے ہٹانے کا کام کرتی ہیں۔ ''حیاتِ نھومیاں'' بھی اسی سلسلے کی خوب صورت کڑی ہے۔

کتاب بڑی شان دار اور دل آویز ہے، معلومات کا خزانہ اور علوم کا گنجینہ ہے۔ زبان بڑی سادہ اور بے حد سلیس ہے۔ اس میں ادبیت ہے نہ استعارہ۔ نہ جملہ سازی ہے اور نہ حسن ترکیب کا سودا، مگر اس کے باوجود بامزہ اتنی کہ پڑھتے جایئے اور کھوتے جایئے۔ ہر سطر دل کش اور ہر بات رعنا۔ تاریخ، تصوف، سیرت اور طب وحکمت سے لبریز۔ کتاب پڑھنے سے پہلے نھومیاں صاحب حکیم سے زیادہ نہیں سمجھے گئے، یہ تحریر پڑھی تو اندازہ ہوا کہ حکیم مرحوم اپنے ساتھ صرف نسبی سربلندی ہی نہیں، ذاتی خوبیاں اور کمالات بھی رکھتے تھے۔

کتاب میں ان کے چند خطبات بھی شامل ہیں، جن کے مطالعے سے مرحوم کی وسعت علمی، دقتِ نظر اور حسنِ ترتیب پر واضح روشنی پڑتی ہے۔ سوانحی کتابوں کے رسیاؤں کے لئے یہ علمی پیش کش خاصے کی چیز ہے۔

کتاب کے مرتب محترم حضرت مولانا محمد سلمان گنگوہی زید مجدہم ہیں۔ موصوف کو حکیم صاحب کی صحبتیں کافی میسر رہی ہیں، انہوں نے ملنے والے مواقع کا بھر پور فائدہ اٹھاتے ہوئے ان کی مجلسیں اور ملفوظات حسنِ سلیقہ سے ضبط کئے۔ ادارہ محدث عصر ان کی اس خدمت پر مبارک باد پیش کرتا ہے۔

☆☆☆☆☆

نامناسب کام پر قسم کھانا

اگر کوئی شخص کسی نامناسب، غلط یا ناجائز فعل پر قسم کھالے تو قسم منعقد ہو جاتی ہے، اور اس کے توڑنے پر بھی کفارہ آتا ہے۔ لیکن ساتھ ہی یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ کسی نامناسب کام پر قسم کھالی جائے تو شرعی حکم یہ ہے کہ اسے توڑ کر کفارہ ادا کر دیا جائے۔ ایک حدیث میں آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا ارشاد ہے کہ:

"جو شخص ایک قسم کھالے، پھر بعد میں اس کی رائے یہ ہو کہ اس قسم کے خلاف عمل کرنا زیادہ بہتر ہے تو اسے چاہئے کہ وہ وہی کام کرے جو بہتر ہو، اور اپنی قسم کا کفارہ ادا کر دے"۔ (معارف القرآن، سورہ ص، آیت: ۴۴)

ہوا کے دوش پر

رضوان سلمانی

ذات ومذہب کے نام پر ووٹ پر پابندی

3 جنوری: گزشتہ کل سپریم کورٹ کے ذریعہ ذات اور مذہب کے نام پر ووٹ حاصل کرنے پر پابندی عائد کرنے کے فیصلے کا یہاں کے علماء اور دانشوران نے استقبال کیا ہے، ان کا کہنا ہے کہ اس سے سیاست کا چہرہ بدلے گا، علماء کا کہنا ہے کہ انہیں سپریم کورٹ کے فیصلے پر پورا یقین ہے۔ اس سلسلہ میں تنظیم علماء ہند کے قومی صدر مولانا سید احمد خضر شاہ مسعودی نے کہا ہے کہ سپریم کورٹ کا یہ فیصلہ اگر درست طریقہ پر نافذ ہو گیا تو ملک میں قومی اتحاد کے ایک نئے دور کا آغاز کرنے میں مددگار ثابت ہوگا اور اس سے ملک کی ترقی کی راہیں مزید ہموار ہوں گی نیز اس سے سیکولر جمہوریت کو فروغ حاصل ہوگا۔ مولانا احمد خضر شاہ صاحب نے کہا کہ ہمیں ملک کی عدالتوں پر پورا یقین ہے کیوں کہ ان کا ہر فیصلہ ملک کے مفاد میں ہوگا لیکن ملک کی سیاست پر انہیں یقین نہیں ہے۔ انہوں نے کہا کہ عدالت کے اس فیصلے سے ذات برادری اور مذہب کے نام پر ووٹ مانگنے اور ووٹ مانگنے اور سیٹ حاصل کرنے والوں پر قدغن لگایا جاسکے گا۔ انہوں نے کہا کہ اس فیصلے کا سختی کے ساتھ نفاذ ہونا چاہئے۔ ذات اور مذہب کے نام پر ووٹ مانگنے والی پارٹی اور امیدوار پر بھی پابندی عائد ہونی چاہئے۔ انہوں نے کہا کہ الیکشن کے دوران مذہب، ذات پات اور زبان کے نام پر ووٹ مانگنا ایک طرح سے تعصب اور فرقہ پرستی کو فروغ دینا ہے، اب تک بی جے پی جیسی سیاسی پارٹیاں مذہب کے نام پر ملک کے اکثریتی فرقہ کو مشتعل کرنے کی کوشش کرکے ملک کے عوام کے درمیان مذہب کے نام پر ایک خلیج پیدا کرنے کی کوشش کرتی آئی ہے اور اسے اس میں کامیابی بھی حاصل ہوئی ہے۔ اس فیصلے سے ان طاقتوں کو بھی دھچکا لگے گا جو گزشتہ 25 سال سے ملک کے اندر نفرت کا ماحول پیدا کرکے ووٹ حاصل کر رہی ہیں۔ سپریم کورٹ کی حالیہ اس فیصلے کا خیر مقدم کرنا چاہئے۔

موسم سرما کی شدت کے پیش نظر جامعہ میں لحافوں کی تقسیم

11/جنوری: جامعہ امام محمد انور شاہ میں نادار مفلوک الحال طلبہ کو لحاف تقسیم کئے گئے۔ اس موقع پر جامعہ کے مہتمم مولانا سید احمد خضر شاہ مسعودی نے کہا کہ مخلوق خدا کی خدمت اور راحت رسانی اسلام میں اہم ترین نیکی ہے کہ انسانوں اور اہل اسلام نیز طلبہ علم دین کی خدمت کا کیا کہنا۔ مولانا نے کہا کہ مدارس اسلامیہ کے میں طلبہ کی رہائش، قیام وطعام، تعلیم وتربیت اور پانی وبرقیات کا پوری توجہ کے ساتھ نظم کیا جاتا ہے تاکہ طلبۂ مدارس ان تمام سہولیات سے استفادہ کرتے ہوئے تعلیم وتعلم اور درس وتکرار کے ساتھ روحانی واخلاقی نظام سے وابستہ ہوکر اکتساب فیض کرسکیں چنانچہ ارباب مدارس کی یہ غیر معمولی کوشش ہوتی ہے کہ طالبان علوم نبوت کو ہر قسم کی سہولیات

بہم پہنچائی جائیں، موسم سرما کی اعضائے جسم کوشل کردینے والی شدید ترین سردی چوں کہ صحت کے ساتھ ساتھ مدارس کے مخصوص نظام زندگی کو نہ صرف یہ کہ متاثر کرتی ہے؛ بلکہ بسا اوقات تعلیمی وتربیتی نظام کو مسائل سے بھی دو چار کردیتی ہے، اس لیے اس جانب توجہ کرتے ہوئے ارباب مدارس فکرمند رہتے ہیں کہ طلبہ کو شدید سردی سے کیسے محفوظ رکھا جائے؟ ظاہر ہے اس کا واحد طریقہ یہ ہے کہ موسم کی نزاکت کو ملحوظ رکھتے ہوئے طلبہ کو ایسے اسباب و وسائل فراہم کیے جائیں جن سے وہ موسم کی شدت کا مقابلہ کرسکیں، ان وسائل واسباب میں ایک اہم ترین چیز طلبہ کو لحاف کی تقسیم بھی ہے، جو ایک بڑی ضرورت ہے۔ مولانا نے کہا کہ اس سال جو طلبہ کو لحاف تقسیم کئے گئے ہیں جس کے لئے جامعہ کے صدر مدرس مولانا عبدالرشید بستوی کی کاوشیں قابل قدر جب کہ جامعہ کے دوسرے استاد اور دارالاقامہ کے ناظم مفتی محمد ساجد قاسمی نے اس حوالہ سے بڑی سرگرمی کا مظاہرہ کیا۔ نیز کمبلوں کی فراہمی کی سعادت جناب محترم فرخ مصطفیٰ صدیقی صاحب کے حصہ میں آئی۔

ایک ملحد کی مذمت

14 جنوری: پاکستان کے نام نہاد مصنف اور متنازعہ سیاسی مبصر طارق فتح کے اس بیان کی جس میں انہوں نے گنگا کاجمنی سے موازنہ کیا اور ہندوستان کے مدارس پر بھی حملہ کیا، یہاں کے علماء اور دانشوران نے ان کے اس بیان کی سخت الفاظ میں مذمت کرتے ہوئے انہیں گمراہ قرار دیتے ہوئے معافی مانگنے کا مطالبہ کیا ہے۔ اس تناظر میں دارالعلوم وقف کے شیخ الحدیث مولانا سید احمد خضر شاہ مسعودی نے کہا کہ طارق فتح سستی شہرت اور ہندوستانی شہریت حاصل کرنے کے لئے اس طرح کی زبان کا استعمال مسلسل کرتے رہے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ان کی طرز زندگی سلمان رشدی اور تسلیمہ نسرین جیسی ہے جو مذہب اسلام پر تنقید کرکے اس کے دشمنان کو خوش کرنے کی کوشش کررہے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ قرآن اللہ کا کلام ہے، حدیث اور شریعت اسلامی طرز زندگی ہے جو آدمی کو انسان بنانے کی جانب راہ نمائی کرتی ہے۔ انہوں نے کہا کہ یہ افسوس کا مقام ہے کہ کروڑوں مسلمانوں کی دل آزاری ہورہی ہے مگر اس جانب کوئی توجہ اور نشاندہی نہیں کررہا ہے، طارق فتح کو سمجھ لینا چاہئے کہ وہ اپنے غلیظ دماغ اور نازیبا زبان سے تنقید کرکے جس راستے پر جانا چاہ رہے ہیں اس کی منزل نہ دنیا ہے اور نہ آخرت ہے۔ انہوں نے کا کہا کہ ہندوستانی میڈیا جو پہلے ہی اسلام کے تئیں اپنے متعصّبانہ رویہ کے لئے مشہور ہے ایسے لوگوں کو ہیرو بنا کر پیش کرتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ طارق فتح نے حال ہی میں گنگا وغیرہ کے متعلق جو کچھ کہا ہے کہ اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں ہے وہ اس وقت سے ہندوستان میں سرگرم عمل ہیں جب سے تین طلاق کے مسئلے پر ٹی وی چینلوں نے شور مچانے کی کوشش کی تھی، گنگا کے سلسلے میں اس نے جو خیالات پیش کئے ہیں انہیں کسی صحیح الدماغ انسان کے خیالات نہیں کہا جاسکتا۔

Monthly MUHADDIS-E-ASR Deoband

Register from Registrar of Newspapers for India U.P. URD.2000/R.N.10663

Contact: (Off) 01336-220471, Mob. +91 9412496763, +91 8006075484

Email: ahmadanzarshah@gmail.com

Printed & Published by Syed Ahmad Khizar Shah,
Mohtamim of behalf of JIMAS, Behind Eidgah, DBD
and Printed at Mukhtar Press, Samreen Printers, Deoband

دارالحدیث، شعبۂ حفظ تا تکمیل افتاء کی درسگاہوں، کتب خانہ ودفاتر پر مشتمل ''انور ہال''

مسجد انور شاہ کا خوب صورت منظر

مسجد انور شاہ کا صدر دروازہ

دارالاقامہ